ماہنامہ
صراطِ مستقیم
برمنگھم
September 2024
تاریخ اہلِ حدیث

وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 44 No. 11 September 2024

Safar/ Rabi ul Awal /1446 AH

جلد: 44 شمارہ: 11 ستمبر 2024ء

صفر/ربیع الاول: 1446ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:

SIRATE-MUSTAQEEM

20 Green Lane, Small Heath,

Birmingham B9 5DB

Tel: 0121 773 0019

Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK

www.mjah.org.uk/siratemustaqeem

E-mail: info@mjah.org.uk

(نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں)

المعروف یہ اصطلاح قرآن مجید میں مختلف مناسبتوں سے استعمال ہوتی ہے۔ عقائد، عبادات، دعوت وتبلیغ، لین دین، اخلاقیات اور معاملات وغیرہ وغیرہ، ہر جگہ اور ہر مسئلہ میں معروف پر عمل کرنے کی اہمیت ہے۔ منکر سے بچنے کی تاکید کی گئی، ان میں سے ایک اہم مسئلہ وراثت کی تقسیم کا ہے۔

وراثت اور میراث یعنی کسی شخص کے انتقال کر جانے کے بعد اس کی متروکہ جائیداد، نقدی، زیورات وغیرہ کی تقسیم کہ شرعی طور پر کون کب کتنے حصہ کا وارث بنے گا، اس کی تفصیل قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں بتائی گئی ہے، اسی کے مطابق جملہ دولت تقسیم کرنا معروف یعنی پسندیدہ عمل ہے۔ اس میں کمی بیشی منکر ناپسندیدہ عمل ہے۔ اس مسئلہ کا تعلق حقوق العباد کے ساتھ ہے جو کہ بہت ہی نازک اور اہم ذمہ داری ہے، اس کی کمی بیشی کرنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔ اگر کوئی شخص کسی کی ایک بالشت زمین بھی ہڑپ کرلے تو قیامت کے دن سات گنا طوق اس کے گلے کا پھندا بنا کر ڈالا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا، فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ» (صحیح بخاری: 3198؛ صحیح مسلم:1610)

لیکن دیکھا گیا کہ تقسیم وراثت کا مسئلہ انتہائی نازک اور ذمہ دارانہ عملی زندگی میں ہونے کے باوجود عملی زندگی میں بڑا پر پیچ اور کٹھن بنا دیا گیا۔ بظاہر دین پسند لوگوں کی اکثریت بھی اس مسئلہ میں غفلت اور بے حسی کا شکار ہے۔ الا ماشاء اللہ

جو حقیقی متقی ہیں وہ حکم الٰہی سمجھتے ہوئے قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق بلا چون وچرا حصے وارثین کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں، ورنہ اس میں طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں۔

سورۃ النساء کی آیت 7 تا 14 میں حصوں کی تفصیل بتائی گئی، ان میں چند نکات بہت ہی غور طلب ہیں۔ کہا گیا:

﴿فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ﴾

یہ اللہ عزوجل جو احکم الحاکمین ہے، جو زمین وآسمان کا حقیقی وارث ہے، اس کی طرف سے مقرر کئے گئے حصے ہیں، نہ کہ عام آدمی یا ادارہ کی جانب سے مقرر کردہ حصے ہیں اور نہ ہی یہ اختیاری مسئلہ ہے جو ہماری صوابدید پر چھوڑا گیا ہو کہ جب چاہیں جیسے چاہیں تقسیم کر لیں۔ بلکہ کہا گیا: ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ﴾ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حد بندیاں ہیں، ان سے سر مو انحراف یا تجاوز کرنا اپنے ایمان و عمل کو داؤ پر لگاتے ہوئے برباد کرنا ہے اور ایسا شخص روز قیامت رسوا کن عذاب جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

﴿ وَمَن يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾(سورۃ النسا:14)

اتنی سخت اور رونگٹے کھڑی کر دینے والی آیت کے باوجود اس مسئلہ میں بے پرواہی برتی جاتی ہے، اس اہم ترین حکم ربانی کو اکثر مسلمان بھلا بیٹھے، وراثت کی غیر منصفانہ تقسیم کے سبب ہی کورٹ کچہری میں سینکڑوں مقدمات زیر التوا ہیں، اور ان منکرات کے باعث قریبی رشتہ دار ایک دوسرے کے دشمن بلکہ جان کے درپے ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات خون خرابے تک نوبت پہنچتی ہے۔ بہت کم گھرانوں میں شرعی تعلیمات کی روشنی میں وراثت تقسیم کی جاتی ہے۔ حصوں کی وضاحت سے پہلے فرمان الٰہی ہے:

﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ﴾

یہ اللہ تعالیٰ کی وصیت ہے، یعنی اللہ جو خالق اور رب العالمین ہے اس نے یہ حصے مقرر فرمائے ہیں۔ یہاں وصیت کا لفظ بہت اہمیت رکھتا ہے۔

یہ تاکیدی حکم بھی ہے اور اس میں رحمت اور شفقت کا پہلو بھی ہے کہ یہاں نہ طاقت ور کا زور نہ ہی کمزور کی بے بسی ہم سب کے خالق نے عدل وحکمت کے ساتھ ہر ایک کے لیے حصہ مقرر فرمایا۔ چاہے وارث طاقت ور ہو یا کمزور یا کوئی امیر ہو یا غریب ہو یا عمر رسیدہ یا کمسن کوئی رکاوٹ یا عذر نہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی طرف سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس مسئلہ کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی تاکید کی جاتی، اور خلفاء راشدین کے عہد زریں میں حصوں کی تقسیم میں کبھی کوئی الجھن پیش آتی تو کبار صحابہ سیدنا ابو بکر، سیدنا عمر رضی اللہ عنہما دیگر سینئر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے باقاعدہ مشورہ کیا کرتے کہ کہیں اتفاقیہ بھی کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہو جائے۔

تقسیم وراثت میں حائل چند بڑی رکاوٹیں

لا علمی: کچھ لوگ اس حکم سے ہی ناواقف ہیں۔ حالانکہ اس کی تاکید کا حکم قرآن مجید اور احادیث میں موجود ہے، لیکن عموماً عوامی اجتماعات، خطبات جمعہ اور وعظ ونصیحت کی محفلوں میں اس عنوان پر گفتگو بہت کم کی جاتی ہے۔

دین بیزاری اور آخرت فراموشی

دینی احکام سے عدم دلچسپی اور بعض مسائل، نماز روزہ وغیرہ کی تو پابندی اور عمل کرنے کا شوق لیکن باقی مسائل خصوصاً حقوق العباد سے تغافل، اس کا مظاہرہ عموماً ان لوگوں کی طرف سے ہوتا ہے جو کسی حد تک بعض دینی احکام پر عمل کرتے دکھائی دیتے ہیں، ان کی نماز، روزوں کی وجہ سے وہ دیندار متصور ہوتے ہیں جبکہ بہت سے دینی احکام کو وہ نظر انداز کر دیتے ہیں۔ حالانکہ حقوق العباد کا مسئلہ انتہائی اہمیت رکھتا ہے، کسی کی حق تلفی اپنی آخرت کی ناکامی اور پچھتاوے کا سبب بنے گی۔

حرص

مال و دولت کی لالچ بسا اوقات حلال و حرام کے فرق سے انسان کو غافل کر دیتی ہے، نتیجہ میں ایسے لوگ قرآنی الفاظ میں مردوں کا تک مال سمیٹ کر کھا جاتے ہیں:

﴿وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا﴾(سورۃ الفجر: 19)

ایسا شخص چاہتا ہے کہ اپنے بھائی بہنوں کے بجائے ساری دولت پر میرا قبضہ ہو۔

حسد

افراد خاندان میں باہمی حسد اور بغض ایک خطرناک بیماری ہے، جو قریبی رشتہ داروں کے درمیان گھن کی طرح سرایت کر جاتی ہے۔ دوسروں کو نیچا دکھانے یا حق سے محروم کرنے کے لیے آدمی نہایت اوچھی حرکتوں پر اتر آتا ہے، پھر خونی رشتہ دار ہی ایک دوسرے کو رسوا کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔

مداخلت بے جا

تقسیم وراثت میں بسا اوقات غیر متعلقہ افراد کی بیجا مداخلت رکاوٹ اور بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔

حالات کا شکوہ اور عذر

فیملی میں کوئی خوشحال تو کوئی تنگدست، کوئی طاقتور تو کوئی کمزور، کوئی عمر رسیدہ تو کوئی کمسن ہوتا ہے، اس کو بنیاد بنا کر وارثین کو محروم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

عام طور پر یہ چند ایسے عوامل ہیں جو رکاوٹ بنتے یا بنائے جاتے ہیں۔

ان میں کوئی بھی مانع وراثت نہیں۔ حالانکہ تقسیم وراثت میں تاخیر سے مسائل مزید پیچیدہ اور الجھن کا شکار ہوتے ہیں۔

وصیت

اللہ تعالیٰ نے وراثت کے مسئلہ میں یہ ایک خاص مد رکھی ہے کہ اگر صاحب مال وارثین کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو مرنے کے بعد کچھ نوازنا چاہے تو وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ وصیت کرتے ہوئے دو باتیں پیش نظر رہیں:

جن کا حصہ مقرر نہیں، ان کے لیے وصیت کر سکتا ہے، جیسے دور کے رشتہ دار، دینی ادارہ وغیرہ۔ لیکن جن کا شرعی حصہ مقرر ہے ان کے لیے مزید وصیت کر کے نہیں نوازا جا سکتا، کیونکہ ان کا حصہ مقرر ہے وہ انہیں ملے گا۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

«إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ» (سنن ابو داؤد: 3565؛ جامع ترمذی: 2120)

کہ اللہ نے حقدار کا حصہ خود ہی مقرر فرما دیا، اس کے لئے وصیت نہیں۔"

وصیت کی حد ایک تہائی ہے یعنی کسی نے تین لاکھ روپیے اپنے پیچھے چھوڑے، وہ ایک لاکھ روپے تک وصیت کر سکتا ہے، ساری رقم ایک لاکھ روپے کسی ایک ہی آدمی یا ادارہ کو دی جا سکتی ہے یا کئی افراد اور اداروں میں تھوڑی تھوڑی کر کے تقسیم کی جا سکتی ہے۔ باقی دو تہائی یعنی دو لاکھ روپے اس کے شرعی وارثین میں تقسیم ہوں گے، تاکہ وارثین محروم نہ ہو جائیں، وصیت کرتے ہوئے وارثین کو نقصان پہنچانا درست نہیں۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

« إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ، خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ»(صحیح بخاری 1295؛ صحیح مسلم:1628)

کہ تم اپنے پیچھے وارثین کو خوشحال چھوڑو، بہتر ہے کہ انہیں کنگال کر کے چھوڑو کہ وہ لوگوں کے دھکے کھاتے پھریں۔

ہاں اگر کوئی اپنی زندگی میں کسی کو کچھ دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ اپنی صوابدید ہے، اس پر مذکورہ قانون لاگو نہیں ہوگا، بشرطیکہ دوسروں کے ساتھ ناانصافی نہ ہونے پائے۔

فرمان نبوی ﷺ ہے:

«فَاتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ»

"اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو۔" (صحیح بخاری : 2587؛ صحیح مسلم:1623)

وصیت تحریری صورت میں ہو تو بہت ہی مناسب ہوتا ہے، بعد میں کسی قسم کی غلط فہمی یا شک وشبہ سے بچا جا سکتا ہے۔ نیز اگر کسی مسئلہ میں وصیت کرنے کا ارادہ ہو تو اس میں تاخیر مناسب نہیں۔ جلد اس پر عمل کرنا چاہیے، کیونکہ کل کیا حالات پیش آئیں گے کوئی نہیں جانتا۔

«مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ، يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ» (صحیح بخاری: 2738؛ صحیح مسلم:1627)

رسول اکرم ﷺ نے وصیت کے مسئلہ میں عجلت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ

"وہ وصیت کا ارادہ کرنے کے بعد دو راتوں کا بھی انتظار نہ کرے مگر اس کی وصیت تحریری شکل میں تیار ہونی چاہئے۔"

☆☆☆

انسان جب اپنے خالق و مالک سے غافل ہو جاتا ہے اور جب اس کی جہالت و غفلت کو دور کرنے کیلئے تشریف لانے والے انبیاء و مرسلین کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیتا ہے، جو اصل میں اسی مالک و آقا کی طرف سے مبعوث کئے جاتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ لوگو تم ایک

”مالک اور پروردگار عالم کے غلام ہو لہٰذا اپنے آقا کی مرضیات کے عین مطابق اپنی زندگی کے شب و روز گذارو تو تمہارا آقا تم سے خوش ہوگا اور تمہیں انعام واکرام سے نوازے گا، الغرض اس کے جواب میں دو طرح کے گروہ ہو جاتے ہیں۔ جن میں ایک ’منکر‘ اور دوسرا ’مسلم‘۔

اس طرح انبیاء و مرسلین کا ایک عظیم سلسلہ چلتا رہا اور اس کا خاتمہ حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی بابرکت پر ہوا اور آپ ﷺ نے بھی وہی چیز دنیا والوں کے سامنے پیش فرمائی جو بنیادی طور پر ایک ہی ہے، یعنی اے لوگو! تم اپنے مالک حقیقی کو پہچانو اور اپنے خود ساختہ طرزِ حیات کو چھوڑ کر میرے بتائے جانے والے راستہ پر گامزن ہو جاؤ جس میں فائدہ ہی فائدہ ہے اور فلاح و کامیابی کی اس سے بہتر اور دوسری چیز تمہارے لئے ہو ہی نہیں سکتی، میں یہ بات اپنی طرف سے تمہیں نہیں بتا رہا ہوں بلکہ میرا رب جو تمہارا بھی رب ہے اور سارے جہاں کا رب ہے اس نے مجھے اپنا رسول بنا کر تمہاری رہنمائی و رہبری کیلئے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے جس کا نام ’دین اسلام‘ ہے۔ اب اس دین اسلام پر انسان کو قائم رکھنی والی اولین جو چیز ہے وہ یہ کہ

”اللہ تبارک و تعالیٰ کی یکتائی“ یعنی توحید باری تعالیٰ کا عقیدہ۔

دوسری چیز رسالت اور تیسری چیز آخرت اس طرح توحید رسالت آخرت پر ایمان و یقین کے ساتھ انسان دائرے اسلام میں داخل و شامل ہو جاتا ہے۔

لیکن اس کے کچھ لازمی شرائط ہیں جو عملی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں جسے قرآن حکیم اعمال صالحات کے نام سے پیش کرتا ہے جس کے بغیر انسان کامیابی کی منزل کو پہنچ نہیں سکتا اس طرح ایمان و عمل صالح لازم و ملزوم ہے۔ اللہ پر ایمان لا کر اس کے عین مطابق عمل اختیار کرنے والوں کو قرآن حکیم اس طرح خوشخبری دیتا ہے۔

﴿وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾

(سورۃ البقرہ:25)

”اور اے پیغمبر جو لوگ اس کتاب پر ایمان لے آئیں اور (اس کے مطابق) اپنے عمل درست کر لیں انہیں خوشخبری دیجئے کہ ان کیلئے ایسے باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ سے اس بات کی نشاندہی ہو رہی ہے کہ انسان اس وقت تک کامیاب و کامران نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائے اور اعمال صالحات اختیار نہ کرے۔ یعنی ایمان باللہ و اعمال صالحات کے بغیر کامیابی ناممکن۔۔۔۔!

اس سلسلہ میں سیدنا معاذ ؓ فرماتے ہیں کہ

”عمل صالح وہ ہے جس میں چار چیزیں ہوں۔ علم، نیت، صبر اور اخلاص (مظہری) اس طرح اب ہمارے سامنے یہ بات صاف طور پر روز روشن کی طرح آ رہی ہے کہ جنت و درجات جنت کا حقیقی امیدوار و مستحق وہی انسان ہو سکتا ہے، جو ایمان و عمل صالح ان دونوں سے متصف ہو۔

انسان کیلئے جتنا ضروری ہوا پانی اور غذا ہے جس پر انسان کی زندگی کی عمارت قائم ہے اس سے کہیں زیادہ اس کے لئے ضروری چیز اسلامی زندگی اور اسلام پر قائم رہنا ہے اس لئے کہ اسلام خدائی دین رحمت ہے اور سارے انبیاء کا دین ہے، لہٰذا اسے قبول کرتے ہوئے اس پر قائم ہو جانے میں ہی بھلائی رکھدی گئی ہے اور اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور طریقہ اختیار کرنا اپنے آپ کو ہلاکت و بربادی میں ڈالدینا ہے۔ اس سلسہ میں ارشاد ربانی یوں ہوا:

﴿ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾

(سورۃ آل عمران: 85)

”اب جو شخص بھی گھاٹے سے بچنا چاہتا ہو اور اللہ تعالیٰ کا تابع فرمان بن جانا چاہتا ہو، اس کے لئے سوائے اسلام اور اسلامی طرز حیات کے کوئی اور راستہ ہی نہیں ہے۔“

آیت مذکورہ بالا میں یہی بات بتلائی گئی کہ

”اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد رہے گا۔“

نبی مکرم آنحضور ﷺ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی اور اس میں آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی، جو اسلام کی زندگی اور ایمان کی موت کی اہمیت کو واضح کرتی ہے جس کے راوی سیدنا ابوہریرہ ؓ ہیں۔

اس دعا کے آخر حصہ کو یہاں نقل کیا جاتا ہے جو کہ مضمون کا اصل عنوان ہے۔

اَللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ، وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيْمَانِ

(سنن ابو داوٗد؛ جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم)

”اے اللہ! ہم میں سے جسے تو زندہ رکھے، اسے اسلام پر زندہ رکھ اور جس کو موت دے اسے ایمان پر موت دے۔“

نبی کریم ﷺ کی مذکورہ بالا دعا پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک جامع دعا ہے جو آپ ﷺ نے فرمائی ہے حقیقت بھی یہی ہے کہ بندہ مومن و مسلم کی یہی شان ہے کہ وہ مرتے دم تک اللہ کی فرماں برداری اور وفاداری پر قائم رہے۔ قرآن حکیم بھی اسی بات کی طرف متوجہ کرتا ہے، فرمان حق تعالیٰ یوں ہوا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴾ (سورۃ آل عمران: 102) ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔“

اب ایک سوال ابھر کر سامنے آتا ہے کہ ایک ایمان والا ہے اور اس کا خاتمہ خیر نہ ہو؟ کیا یہ ممکن ہے؟

ہاں یہ بات ممکن ہے جب ہی تو قرآن میں اس بات کی تاکید آئی ہے کہ اللہ سے ڈر کر زندگی بسر کرو پورے اخلاص کے ساتھ اور اس بات پر خبردار کیا جارہا ہے کہ مرتے دم تک مسلمانیت کا حق ادا کرتے رہنا اور نبی محترم و مکرم ﷺ بھی ہمارے لئے یہی دعائیہ کلمات کو چھوڑا ہے جس میں اللہ سے یہ التجا کی جاتی ہے کہ اے اللہ ہماری پوری زندگی اسلام کے تقاضوں کے عین مطابق گذر جائے اور ہمارا خاتمہ ایمان کی حالت میں ہو۔

اصل میں ہوتا یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی زندگی خدا و رسول کی اتباع و پیروی میں گذارتا ہے لیکن شیطان جو انسان کا کھلا دشمن ہے اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کو راہ حق سے بھٹکا کر ایمان اور عمل صالح کے منافی کام کروا کر کفر میں مبتلا کردے۔ مثلاً، مال کی محبت میں گرفتار ہو کر حلال و حرام میں تمیز نہ کرنا، اولاد کی محبت میں مبتلا ہو کر حق و انصاف سے پھر جانا، رشتہ داری و برادری کا لحاظ کرتے ہوئے عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینا، تکبر و کبر نفس میں مبتلا ہو کر اپنی زبان سے ایسے کلمات ادا کرنا جس سے فرعونیت ٹپکتی ہو، مرنے سے پہلے یا مرتے مرتے غلط قسم کی وصیت یا تاکید کر جانا جس سے حق داروں کا حق ضائع ہو کر رہ جائے۔

موروثی جائیداد یا دیگر مال و متاع میں بہنوں بھائیوں کو محروم کردینا، یہ اور اس طرح کی دیگر چیزیں دراصل آدمی کیلئے ایمان کی ہلاکت و خسران آخرت کا باعث بن جاتی ہیں۔

علاوہ ازیں کسی شخص کو کسی معاملہ کی یکسوئی کیلئے دیندار بزرگ سمجھ کر بڑا بنالیا جاتا ہے یا کسی رقمی لین دین کے سلسلہ میں نزاع پیدا ہونے پر یا پھر کسی قضیہ کے موقع پر ”حکم“ (ثالث، پنچ یا منصف) بنایا جاتا ہے تو ایسے موقع پر حق و ایمان کے ساتھ فیصلہ صادر کرنا اہل ایمان کی شان ہے ورنہ آدمی اگر اپنے مفاد کو پیش نظر رکھے اور اپنی اولاد یا رشتہ دار کو فائدہ پہنچانے کیلئے ناحق فیصلہ کردے جبکہ وہ سبب قضیہ اور معاملہ کی گہرائی سے بخوبی واقف بھی ہو، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ فاسق کا نام دیا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے اس کی اطاعت کی حد سے نکل جاتا ہے، غرور نفس اور اپنی بزرگی کی دھاک جماتے ہوئے حدود اللہ سے آگے نکل کر طبع ذات فیصلہ کردینا گویا کہ شیطان کے ہاتھ پر بیعت کرلینا ہے۔

جھوٹے مقدمات کذب بیانی اور ظالموں کی وکالت اور اس قبیل کی جتنی بھی برائیاں ہیں یہ سب کے سب آدمی کے اسلام اور ایمان کو بگاڑ دیتی ہیں جو لوگ اپنے مقدمات جو کہ جھوٹ پر مبنی ہوتے ہیں اپنے حق میں کروانے کیلئے قاضی، حکم، یا منصف کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ کسی بھی طرح مقدمہ جیت جائیں اور جیت بھی جاتے ہیں خواہ جھوٹے دستاویز بنا کر اور جھوٹی شہادت پیش کرتے ہوئے یا رشوت کے بل بوتے پر یا پھر اقتدار کا سہارا لے کر ایسے لوگوں کو جان لینا چاہئے کہ دنیا کی چند روز کی زندگی کیلئے آخرت کی ابدی زندگی کو عذاب میں مبتلا کردینا بڑے گھاٹے کا سودا ہے اور یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ دنیا کی عدالتوں کے ختم ہونے کے بعد ایک عظیم عدالت قائم ہونے والی ہے جس میں شروع دنیا سے لے کر ختم دنیا تک جتنے بھی غلط فیصلہ دنیا میں ہو چکے ہوں گے اس میں مظلوموں کی دادرسی ہوگی اور ظالموں کو سزا دی جائے گی، وہاں پر نہ کوئی وکالت کرنے والے وکیل ہونگے اور نہ ہی کوئی جھوٹی شہادت چلے گی اور نہ ہی وہاں پر کوئی رشوت لینے والا ہوگا اور نہ ہی کسی کا اقتدار و دبدبہ چلے گا وہاں تو صرف اللہ کی عدالت ہوگی اور اس عدل کی کرسی پر مالک یوم الدین جلوہ افروز ہوگا اور حق کے ساتھ فیصلے صادر ہوتے چلے جائیں گے اور اس وقت دنیا کے سارے ظالم و جابر اور اللہ کے حقوق کی ادائیگی سے جی چرانے والے اور اس کے بندوں کے حقوق کو دبانے والے شرمندہ حالت میں ہاتھ ملتے رہ جائیں گے اس لئے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے یہاں جو کچھ بویا جائے گا آخرت میں اسی مناسبت سے فصل کاٹنی پڑے گی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ انسان کی آخرت کو تباہی میں ڈالنے والی چیز دنیا و لذات دنیا ہے جو ناجائز طور پر حاصل کی گئی ہے اس سے اجتناب کرنا دانشمندی ہے۔

حضور سید عالم ﷺ نے دانا اور ہوشیار شخص اس آدمی کے بارے میں فرمایا: ”جو اپنے نفس کو قابو میں رکھتے ہوئے موت کے بعد کام آنے والے اعمال اختیار کیا ہو۔ جو شخص آگ سے بچالیا اور جنت میں داخل کردیا گیا وہ کامیاب ہوگیا۔“

الغرض اب جو شخص بھی توحید، رسالت، آخرت پر ایمان رکھے گا اور اس کے مطابق اعمال اختیار کرے گا اور خیر امت ہونے کے احساس کے ساتھ زندگی بسر کرے گا اور کلمہ حق کو بلند کرنے اور کلمہ کفر کو پست کرنے کیلئے جان و مال اس راہ میں لگائے گا وہ یقیناً اپنے آپ کو اس بات کا مستحق کرلیتا ہے کہ وہ جب تک دنیا میں رہے مسلمان بن کر رہے اور جب موت آئے ایمان کے ساتھ آئے۔ اس بڑی کامیابی کیلئے دنیا کے سامنے دو بڑی اہم چیزیں موجود ہیں وہ ہے اللہ کی کتاب (قرآن مجید) دوسرا سنت

نبوی ﷺ اس کے بغیر انسان راہ ہدایت پا نہیں سکتا اور اسے یہ معلوم ہی نہ ہو گا کہ وہ کون ہے کہاں سے آیا ہے وہ کس کا غلام ہے اور اسکا آقا کون ہے اسے کیا کچھ کرنا چاہئے اور کن چیزوں سے بچنا چاہئے، من چاہی زندگی گذارنے سے کیا نقصانات ہوں گے اور اپنے مالک حقیقی کی مرضیات پر چلنے سے کیا فائدہ ہو گا اور کن انعام واکرام سے نوازے جائے گا۔

اسی کے پیش نظر حضرت سید عالم ﷺ نے حج وداع کے موقع پر جو خطبات ارشاد فرمائے ہیں اس میں خاص طور پر یہ بات تاکید کے ساتھ ارشاد فرمائی کہ "لوگو! میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں جب تک تم اسے مضبوطی کے ساتھ تھامیں رکھو گے کبھی گمراہ نہ ہوں گے ایک اللہ کی کتاب دوسری میری سنت۔"

آپ ﷺ کی اس تقریر پر عمل کرنے والے دنیا وآخرت میں کامیاب ہو کر رہتے ہیں اور قرون اولیٰ میں اللہ تعالیٰ نے ایک کثیر جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس بات کی بشارت دے چکا کہ

﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾

کیونکہ ان سعید روحوں نے جب تک دنیا میں رہے مسلمانیت کا حق ادا کیا اور اللہ پر ایمان لانے کا حق ادا کرتے ہوئے رسول ﷺ کی اطاعت کی اور اللہ ورسول ﷺ سے والہانہ محبت رکھی اور ان کے حکم پر لبیک کہا اور اپنی جان و مال سب ان پر نچھاور کردی۔

مختصر یہ کہ ہر آدمی کی، اپنی اس خواہش کے ساتھ مخلصانہ جدوجہد بھی اپنی طاقت کے مطابق ہونی چاہیے کہ ﴿وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾ تو آیئے ہم سب اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان نیک لوگوں کے راستے پر چلائے جس پر انعام فرمایا گیا ہے اور ان لوگوں کے راستے سے ہمیں بچالے جس پر اس کا غضب ہوا اور جو ناکام ہو کر رہے۔

ہے مسلماں تو زندگی رب چاہی گزارو

ملے گی حیاتِ اصلی من چاہی تمہیں

☆☆☆

مرکزی جمعیت اہلحدیث برطانیہ کے بانی رکن و ناظم اعلیٰ حافظ محمد یعقوب انتقال کر گئے

مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کے بانی رکن اور پہلے ناظم اعلیٰ حافظ محمد یعقوب بقضائے الٰہی وفات پاگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

حافظ صاحب نے برطانیہ میں 1954ء میں حلال گوشت کا بزنس شروع کیا تھا۔ آپ برطانیہ میں حلال گوشت متعارف کرانے والے پہلے شخص تھے، اس لئے برطانیہ میں آپ کو فادر آف حلال میٹ سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ نہ صرف برطانیہ بلکہ یورپ میں بھی حلال گوشت سپلائی کرتے تھے۔ جمعیت اہل حدیث برطانیہ کی بنیاد رکھنے والے چند بااثر ہستیوں میں آپ بھی شامل تھے۔ جب مولانا فضل کریم عاصم جمعیت کے امیر بنے تو آپ اس کے ناظم اعلیٰ بنائے گئے تھے۔ مولانا محمد احمد میرپوری جب مدینہ منورہ سے فارغ ہو کر برطانیہ پہنچے تو حافظ صاحب نے انہیں یہ عہدہ یہ کہہ کر حوالہ کر دیا کہ اس کے مستحق مجھ سے زیادہ آپ ہیں۔ برمنگھم سنٹرل ماسک کے فونڈر ٹرسٹی بھی تھے۔ آپ ہی نے کونسل سے Negotiate کر کے سنٹرل ماسک کے لئے جگہ حاصل کی تھی۔ آپ مہمان نواز اور علماء کے قدر دان تھے۔ ابتداء میں ائمہ حرمین علامہ البانی رحمہ اللہ اور دیگر علماء آپ ہی کے مہمان ہوتے تھے۔ پسماند گان میں اہلیہ بیٹے زاہد یعقوب، شاہد یعقوب، دو بیٹیاں اور کئی پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں سوگوار ہیں۔ چند دن قبل پیر پھسل کر آپ گر گئے تھے اور شفایابی کے بالکل قریب تھے کہ تقدیر غالب آگئی اور آپ تقریباً 91 سال ہونے کے قریب تھے کہ قادر مطلق سے جاملے۔ آپ ایک عبقری انسان تھے اور آج ہزاروں گوشت کی دوکانوں کے کاروبار والے حلال، حلال کا نام جپتے ہیں جو حافظ صاحب سے پہلے حلال نام سے لوگ واقف نہیں تھے۔

اللہ کریم ان کی نیکیوں کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے۔ سنٹرل ماسک میں مولانا محمد حفیظ اللہ خان المدنی نائب امیر اول مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ نے ان کی نماز سنت کے مطابق پڑھائی۔ اکثر لوگ بزرگوں کی جائز وصیتوں کو پامال کرتے ہیں اور مروت کے مارے مشرکوں اور قبر پرستوں سے اپنے موحد اور متبع سنت بزرگوں کے جنازے پڑھاتے ہیں، جو لوگ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ ہی نہیں پڑھتے ہیں، جب سورۃ فاتحہ نہ پڑھیں تو وہ نماز جنازہ کیسے ہوئی۔ اس اعتبار سے حافظ محمد یعقوب کے بچوں کو سیلوٹ کرتا ہوں کہ وہ والد کی وصیت کے مطابق گرین لین مسجد کے کسی عالم سے نماز جنازہ پڑھائے اور سنٹرل ماسک کے امام اور انتظامیہ کمیٹی کی بھی اعلیٰ ظرفی ہے کہ وہ دیگر مسلک کے علماء کو نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت دیتے ہیں ورنہ اکثر مساجد میں ائمہ مساجد خود نماز جنازہ پڑھاتے ہیں، دیگر علماء کو اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتے۔ نماز جنازہ سے قبل شیخ ڈاکٹر بانی البنا فونڈر آف اسلامک ریلیف یوکے، چوہدری ظفر، بزنس مین طاہر محمود ذمہ دار سنٹرل ماسک برمنگھم، مولانا مولانا شعیب احمد امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ، چوہدری ظفر اسپین برطانیہ، مولانا شیر خان جمیل احمد عمری، مولانا سرفراز مدنی سابق امیر اسلامک مشن یوکے، حاجی محمد صدیق چوہدری، محمد اکرم، حافظ عبدالواحد فرزند زاہد یعقوب، حافظ زین زاہد اور بہت سے لوگ خصوصاً تجار حضرات کی خاصی تعداد نماز جنازہ میں شامل تھی جبکہ مولانا عبدالہادی العمری اور ناظم اعلیٰ قاری ذکاء اللہ سلیم بیرون ملک ہیں، جنازہ اور تدفین کے بعد بھی کئی دن تک زاہد یعقوب سنٹرل ماسک میں بیٹھے رہے تاکہ تعزیت کرنے والوں کے لئے آسانی ہو۔ ڈاکٹر عبدالرب ثاقب اور بہت سے لوگ زاہد یعقوب سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے دعا کی ہے کہ اللہ کریم ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ آمین

بار دنیا میں رہو غمز وہ یا شاد رہو

ایسا کچھ کر کے چلو یاں کے بہت یاد رہو

ڈاکٹر عبدالرب ثاقب ڈڈلی

سیرتِ رسول ﷺ کے چند اہم واقعات

فضیلۃ الشیخ پروفیسر ڈاکٹر عبداللہ بن عواد الجہنی حفظہ اللہ مترجم: محمد عاطف الیاس

الحمد للہ! حمد وثنا، اللہ کے لیے ہے، جس نے ہماری شریعت پر سلسلۂ رسالت کو مکمل فرمایا۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ پر انبیاء ورسل کے سلسلے کو ختم کیا۔ ہمیں لوگوں کے لیے نکالی جانے والی امتِ وسط بنایا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کوئی الہٰ نہیں، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور چنیدہ رسول ہیں۔ بہترین میں بہترین، اور ان میں سے بھی بہترین رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے رب کا پیغام پہنچانے، امانت ادا کرنے، امت کو نصیحت کرنے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا حق ادا کر دیا، یہاں تک کہ وہ رفیقِ اعلیٰ سے جاملے۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر، اہل بیت پر، صحابہ کرام پر، اور قیامت تک استقامت کے ساتھ ان کے نقشِ قدم پر چلنے والوں پر۔

بعد ازاں!

بلاشبہ سب سے زیادہ سچی بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد (ﷺ) کا طریقہ ہے۔ اور بدترین کام وہ ہیں جنھیں (شریعت میں) اپنی طرف سے جاری کیا جائے۔ ہر ایسا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں لے جائے گی۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّـهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تم کو موت نہ آئے، مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔“ (سورة آل عمران:102)

اے مسلمانو!

ہر شخص اپنے محبوب کا ساتھی ہوتا ہے، اور نبی اکرم ﷺ کی محبت ایمان کی شرطِ لازم ہے۔ محبتِ رسول کا بہترین ذریعہ سیرت، شمائل اور اخلاقِ نبوی کا مطالعہ ہے۔

چنانچہ اپنے نبی کو پہچانو، تاکہ ان کا مقامِ عالی اور مرتبۂ بے مثال آپ پر عیاں ہو جائے۔ پھر تمہارے دل میں ان کی محبت گھر کر لے اور خود بہ خود فرمان برداری کی راہ پر چل پڑو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ سے محبت کو اپنے نفس، والدین، اولاد، اور کل مخلوقات کی محبت پر ترجیح نہ ہو، تو کسی کا ایمان درست نہیں۔

اللہ کے بندو!

﴿اللَّـهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ﴾

”حقیقت یہ ہے کہ اللہ ملائکہ میں سے بھی پیغام رساں منتخب کرتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔“ (سورة الحج:75)

محمد عربی ﷺ بھی اللہ ہی کا انتخاب ہیں، انہیں بہترین لڑی اور عظیم نفوس سے چنا گیا۔ پھر اللہ نے انہیں سبھی لوگوں پر فوقیت اور فضیلت عطا فرمادی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾

”دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔“ (سورة التوبہ:128)

رسول اللہ ﷺ کی پیروی کو معیار فضیلت وکمال ٹھہرایا گیا:

﴿لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّـهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّـهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾

”در حقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ تھا، ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو۔“ (سورة الاحزاب:21)

طریقۂ رسول اور اخلاق رسول کو پاکیزہ بنایا، آپ کے علم، عقل، قول، فعل، سب کو پاکیزہ فرمایا، مکمل طرح سے پاکیزہ فرما دیا، ظاہر بھی پاکیزہ، باطن بھی پاکیزہ، اللہ نے آپ ﷺ کی عقل کی تعریف فرمائی۔ فرمایا:

﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ﴾

”نہ وہ گمراہ تھے اور نہ راہ راست سے بھٹکے ہوئے تھے۔“ (سورة النجم:2)

آپ ﷺ کی نظر کی تعریف فرمائی۔ فرمایا:

﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ﴾

”نگاہ نہ چوندھیائی نہ حد سے متجاوز ہوئی۔“ (سورة النجم:17)

آپ ﷺ کے سینۂ اطہر کی پاکیزگی کی تعریف فرمائی۔ فرمایا:

﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾

”کیا ہم نے تمہارا سینہ تمہارے لیے کھول نہیں دیا؟“ (سورة الشرح:1)

آپ ﷺ کے ذکر کی تعریف فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾

"تمہاری خاطر تمہارے ذکر کا آوازہ بلند کر دیا۔" (سورۃ الشرح:4)

آپ ﷺ کی سچائی کی تعریف فرمائی۔ فرمایا:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ﴾

"وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا۔" (سورۃ النجم:3)

آپ ﷺ کے علم کی تعریف فرمائی۔ فرمایا:

﴿عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ﴾

"اُسے زبردست قوت والے نے تعلیم دی ہے۔" (سورۃ النجم:5)

آپ ﷺ کی بردباری کی تعریف فرمائی۔ فرمایا:

﴿بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾

"ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔" (سورۃ التوبہ:128)

آپ ﷺ کے اخلاق کی تعریف فرمائی۔ فرمایا:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾

"بیشک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو۔" (سورۃ القلم:4)

اللہ کے بندو!

اللہ نے اپنے تمام بندوں کو عقیدۂ توحید پر پیدا کیا ہے، پھر شیطانوں نے انہیں گمراہ کیا اور انہوں نے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کر ڈالا، اور انہیں اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک کرنے کا کہا جن کا حکم اللہ نے نہیں دیا تھا۔ اللہ نے اہل زمین پر نظر ڈالی تو اہل کتاب کے ایک گروہ کے سوا سب ہی عرب و عجم کو بہت برے حال میں پایا، تو اس نے بہترین اصل اور عمدہ ترین نسل کے ایک بندے کو منتخب فرمایا، جو عزت و شرف کا پیکر ہے، جو خیر و فضیلت کا سرچشمہ ہے، محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ﷺ کو منتخب فرمایا۔ عربی، قریشی، ہاشمی کو منتخب فرمایا۔ پھر ان کے لیے بہترین علاقے کا انتخاب فرمایا، تو ان کی پیدائش، تربیت، اور بعثت سرزمینِ وحی مکہ مکرمہ پر ہوئی۔ آپ کی ولادت باسعادت عام الفیل کے ماہِ ربیع الاول میں ہوئی، عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی ولادت سے تقریباً چھ سو بتیس برس بعد۔ چالیس سال کی عمر میں بعثت ہوئی، اور تریسٹھ برس کی عمر میں آپ ﷺ کا انتقال ہوا۔

اے مسلمانو!

آپ ﷺ نے یتیمی کی سختی بھی دیکھی، ولادتِ کریمہ سے پہلے ہی والد فوت ہو گئے، چھ سال کی عمر ہوئی تو والدہ بھی انتقال کر گئیں، پھر دو سال دادا کی کفالت میں رہے، پھر وہ بھی چل بسے تو چچا ابو طالب نے اپنی کفالت میں لے لیا۔ انہوں نے آپ ﷺ کی خوب حمایت کی، بہت دفاع کیا اور بہت ساتھ دیا، یہاں تک کہ بعثت سے دس سال بعد وہ بھی چل بسے۔ آپ اپنے ماں باپ کی اکیلی اولاد تھے۔ نہ کوئی بھائی تھا اور نہ بہن۔ مگر اللہ نے آپ میں خیر و فضیلت کے سبھی اوصاف اکٹھے کر دیے تھے، خصالِ فطرت اور اخلاقِ حمیدہ اکٹھے کر دیے تھے۔ آپ ﷺ نے تجارت بھی کی۔ کئی مرتبہ تجارت کے سلسلے میں اپنے چچا کے ساتھ شام کا سفر کیا۔ پھر سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کی تجارت کے لیے بھی سفر کیا۔ چند پیسوں پر اہل مکہ کے لیے بکریاں بھی چرائیں۔ پچیس سال کی عمر میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ سیدہ بھی بہترین معاون و مددگار ثابت ہوئیں، ابراہیم کے سوا آپ ﷺ کی ساری اولاد انہی میں سے ہے۔ ابراہیم کی ماں سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

جب چالیس برس کی عمر کو پہنچے تو اللہ نے انہیں منتخب کیا، آپ کو مبعوث فرما کر سلسلہ نبوت ختم کر دیا۔ پھر آپ نے توحید اور ترکِ کفر کی دعوت شروع کی۔ نیکی کے متعدد کاموں کی تلقین فرمائی، نیکی کا حکم دیا، برائی، ظلم اور فساد سے منع کیا۔

دس سال تک مکہ مکرمہ میں صبح و شام سب کو اکٹھے اور ہر ایک کو الگ الگ دعوت دی۔ مگر لوگوں نے گویا کہ کانوں میں انگلیاں دے رکھی تھیں، وہ ان کے خلاف سخت سے سخت اور بدترین چالیں چلنے لگے، اپنے کپڑوں کو اپنے اوپر لپیٹ لیا، ہٹ دھرمی، تکبر اور انکار پر اصرار کرنے لگے، سرکشی اختیار کی اور حق کے خلاف ڈٹ گئے، آپ ﷺ کو جھٹلایا اور اذیتیں دیں، آپ ﷺ کو استہزاء و تمسخر کا نشانہ بنایا، کبھی جادوگر کہا تو کبھی کاہن اور مجنوں کہا، آپ ﷺ کے صحابہ اور پیاروں کو بھی سخت اذیتیں دیں، اہل مکہ نے انہیں بہت ستایا اور بے گھر کر دیا:

﴿وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَن يُؤْمِنُوا بِاللَّـهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ﴾

"اُن اہل ایمان سے اُن کی دشمنی اِس کے سوا کسی وجہ سے نہ تھی کہ وہ اُس خدا پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔" (سورۃ البروج:8)

پھر مدینہ منورہ، طیبہ الطیبہ اور طابہ کی طرف ہجرت کا حکم الٰہی صادر ہوا۔ جہاں کی رہائش بہترین ہے، جو بہترین مقام اور ایمان کا مرکز ہے، جہاں سمٹ کر ایمان پھر لوٹ آئے گا۔ جہاں اللہ کا لشکر اور اس کے مددگار ہیں:

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

"جو اِن مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دارالہجرت میں مقیم تھے یہ اُن لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے اِن کے پاس آئے ہیں اور

جو کچھ بھی اُن کو دیدیا جائے اُس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔" (سورۃ الحشر:9)

پھر مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست پھلنے پھولنے لگی، مختصر وقت میں اس کی بنیاد رکھ دی گئی، احکامِ الٰہی نازل ہوتے گئے، اور اپنے ساتھ دیگر قبیلوں کے حلیف بناتی گئی، اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں کے ساتھ جہاد کرتی گئی، معاہدے اور اتفاق کرتی گئی۔

یہاں آپ ﷺ نے دس برس گزارے، جو واقعات، احکام اور غزوات سے بھرپور تھے۔ جنہیں پہلے نہ کبھی اس زمین نے دیکھا تھا اور نہ ہی تاریخ نے اس سے پہلے ایسی حق پرست، صراط مستقیم کی راہی، اور اللہ کی محبوب نسل دیکھی تھی۔

دعا ہے کہ اللہ ہمیں بھی ان کی معیت میں رحمتِ الٰہی میں جگہ عطا فرمائے، نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے ساتھ۔ اور ان کا ساتھ کیا ہی عمدہ ساتھ ہے۔ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے!

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾

"وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود اُنہی میں سے اٹھایا، جو اُنہیں اُس کی آیات سناتا ہے، اُن کی زندگی سنوارتا ہے، اور اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اِس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔" (سورۃ الجمعۃ: 2)

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن عظیم سے برکت عطا فرمائے! اس میں آنے والی آیات اور ذکر حکیم سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے! میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ سے معافی مانگتا ہوں۔ آپ بھی اسی سے معافی مانگو۔ یقیناً! وہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

حمد و ثنا اللہ ہی کے لیے ہے جو حق کو غالب اور سربلند کرنے والا ہے، باطل کو رسوا اور ختم کرنے والا ہے۔ اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

اللہ کے بندو!

مدینہ کے دس سالوں میں اللہ نے اپنے دین کو مکمل فرما دیا، اور لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے۔ اسلام جزیرۂ عرب میں پھیل گیا، یہاں کے لوگوں نے اسلام کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

اس زمانے کے چند اہم واقعات یہ ہیں:

سن 1 ہجری میں: رسول اللہ ﷺ نے مسجد اور اپنے گھر تعمیر فرمائے، مہاجرین اور انصار کو بھائی بھائی بنایا اور نظامِ اذان قائم ہوا۔

سن 2 ہجری میں: قبلہ تبدیل ہو کر کعبہ بن گیا، ماہِ رمضان کے روزے فرض ہو گئے، فطرانہ فرض ہوا، غزوۂ بدر کا معرکہ سر ہوا۔

اسی سال سیدہ رقیہ بنت محمد ﷺ فوت ہوئیں، رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی، اسی سال سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ سے شادی کی۔

سن 3 ہجری میں: بہت سے معرکے اور جنگیں ہوئیں۔ غزوۂ احد بھی اسی سال ہوا، غزوۂ بنی النضیر بھی اسی برس ہوا، شراب کی حرمت بھی اسی سال میں ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے سیدہ حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے شادی کی، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ سے شادی کی۔ اسی سال سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے۔ اللہ سب صحابہ سے راضی ہو جائے۔

سن 4 ہجری میں: رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ام سلمٰی رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ حکم تیمم نازل ہوا۔ کہا جاتا ہے غزوۂ خندق بھی اس سال وقوع پذیر ہوا، غزوۂ ذات الرقاع بھی اسی برس ہوا۔ اسی برس میں صلاۃ الخوف کا طریقہ نازل ہوا۔

سن 5 ہجری میں: غزوۂ دومۃ الجندل وقوع پذیر ہوا اور اسی سال پردے کے احکام نازل ہوئے۔

سن 6 ہجری میں: صلح حدیبیہ، بیعتِ رضوان، غزوۂ بنی المصطلق، سورج گرہن کے واقعات پیش آئے اور اسی برس میں ظہار کی آیات نازل ہوئیں۔

سن 7 ہجری میں: غزوۂ خیبر ہوا، عمرۃ القضاء بھی اسی سال ادا کیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اسی برس میں سیدہ ام حبیبہ، سیدہ میمونہ، سیدہ صفیہ، اور سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہن سے شادیاں کیں۔ اسی سال سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔

سن 8 ہجری میں: غزوۂ موتہ اور غزوۂ ذات السلاسل لڑے گئے، اور اسی سال ماہِ رمضان میں مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ اسی سال سیدنا ابراہیم بن محمد ﷺ پیدا ہوئے، سیدہ زینب بنت محمد ﷺ فوت ہوئیں۔ اسی سال غزوۂ حنین بھی ہوا۔

سن 9 ہجری میں: غزوۂ تبوک ہوا، آپ ﷺ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنا کر حج کے لیے روانہ کیا، سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ فوت ہوئیں، اسی سال نجاشی بھی فوت ہوئے، اور بہت سے وفد آئے۔

سن 10 ہجری میں: رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع

کیا، سیدنا ابراہیم بن محمد ﷺ فوت ہو گئے اور یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّـهِ وَالْفَتْحُ 0 وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّـهِ أَفْوَاجًا 0 فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾

"جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح نصیب ہو جائے اور تم دیکھ لو کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں * تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرو، اور اُس سے مغفرت کی دعا مانگو، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔" (سورۃ النصر: 1 - 3)

اللہ کے بندو!

ہر نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے، اس زمین پر رہنے والی ہر چیز نے بالآخر ہلاک ہو ہی جانا ہے۔ اور صرف تیرے رب کی جلیل و کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔

موت کو تو آنا ہی ہے، اس سے کوئی چھٹکارا نہیں، جیسے ہی ایک میت کی تدفین مکمل ہوتی ہے، تو دوسری تیار ہوتی ہے۔

سن 11 ہجری، ربیع الاول میں حجۃ الوداع کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ایک تکلیف نے آلیا۔ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! اللہ نے آپ ﷺ کو اختیار دیا تو آپ ﷺ نے پروردگار سے ملنا پسند کیا۔ اے اللہ! رفیقِ اعلیٰ! اے اللہ! رفیقِ اعلیٰ! جدائی کی گھڑی آگئی، آپ نے وصیت کی اور سب کو الوداع کہا۔ آپ ﷺ کی رخصت سے ساری دینا تاریک ہو گئی، آپ کے جانے سے کلیجے پھٹ گئے

۔ ہائے اللہ! کتنا ہولناک واقعہ ہے! کتنی سخت مصیبت ہے! کتنا بڑا سانحہ ہے! کتنے بھاری لمحات ہیں! ہوں بھی کیوں نہ؟ آپ ﷺ کی رخصت سے آسمانی وحی کا سلسلہ جو ختم ہو گیا تھا۔ افق پر تاریکی چھا گئی تھی، مسلمانوں میں اضطراب پھیل گیا، کوئی پریشانی میں دہشت زدہ رہ گیا، کسی کی عقل جواب دے گئی، کسی کی ٹانگیں جواب دے گئیں اور کھڑا نہ رہ سکا۔ کسی کی زبان ساتھ چھوڑ گئی اور وہ بات نہ کر سکا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"جب مدینہ میں آپ کی آمد ہوئی تو مدینہ کی ہر چیز روشن لگ رہی تھی، پھر جب آپ ﷺ کا انتقال ہوا تو ہر چیز تاریک لگ رہی تھی۔"

مگر اللہ کا اصول یہی ہے کہ

موت نہ والد کو چھوڑتی ہے اور نہ اولاد کو، نہ چھوٹے کو، نہ بوڑھے کو، کسی کو بھی نہیں۔

آپ ﷺ بھی چل بسے، امت کے لیے وہ بھی نہ رہے، اگر آپ ﷺ سے پہلے کسی کو ہمیشہ کی زندگی ملی ہوتی، تو آپ کو بھی مل جاتی۔

موت کے تیر برستے ہیں اور ان کا نشانہ کبھی غلط نہیں لگتا، جو تیر سے آج بچ گیا، وہ کل نہ بچے گا۔

دنیا کی زیب وزینت کو جو پہچان لے، وہ اگر اس میں دوسروں کا مقابلہ نہ کرے تو اسے کیا نقصان ہو سکتا ہے؟

اے اللہ! ہم تجھ سے تیری محبت اور تیرے رسول کی محبت کا سوال کرتے ہیں۔

اے اللہ! ہم تک تیرا پیغام پہنچانے پر نبی کریم ﷺ کو بہترین اجر عطا فرما!

اے اللہ! جس طرح تو نے مہربانی فرما کر ہمیں آپ ﷺ کے دین کی ہدایت عطا فرمائی ہے۔

اے اللہ! اسی طرح ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ان کی شفاعت بھی نصیب فرما، ہمیں آپ ﷺ کے گروہ میں مبعوث فرما، ہمیں حوض کوثر کا گھونٹ نصیب فرما! اپنی رحمت سے ہمیں جنتِ خلد میں ان کے ساتھ اکٹھا فرما! اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے!

اے اللہ! ہمارے حکمران، خادم حرمین کو کامیاب فرما! اس کی تائید فرما۔

اے اللہ! اسے اور اس کے ولی عہد کو ان کاموں کی توفیق عطا فرما جن سے تو خوش اور راضی ہوتا ہے۔

اے دعا سننے والے!

اے اللہ! رحمتیں اور سلامتیاں نازل فرما، اپنے بندے اور رسول، محمد ﷺ پر۔

اے اللہ! چاروں خلفائے راشدین سے راضی ہو جا! سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان غنی اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے، اور تمام اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تابعین سے اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر استقامت کے ساتھ چلنے والوں سے بھی راضی ہو جا۔ اپنی کرم نوازی اور احسان سے ہم سب سے بھی راضی ہو جا۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے!

☆☆☆

چراغاں، آتش بازی

ربیع الاول کا مہینہ شروع ہوتے ہی مکانوں، چھتوں، دیواروں اور گلیوں، بازاروں میں چراغاں کیا جاتا ہے۔ جلوس نکالے جاتے ہیں۔ آتش بازی کی جاتی ہے جو سراسر مجوسیوں کی مشابہت ہے۔

وہ آگ کی عبادت کرتے ہیں۔ ان کی محفلوں میں آتش بازی کی جاتی ہے، چراغاں کیا جاتا ہے۔ لیکن افسوس کہ آج بعض مسلمان بھی یہ عمل کر رہے ہیں۔

رسول ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ» (سنن ابوداود: 4031)

"جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی، وہ انہی میں سے ہے۔"

☆☆☆

کسی کی تعریف میں غلو سے اجتناب

سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک آدمی نے کسی شخص کی تعریف کر دی، تو نبی ﷺ نے فرمایا:

«وَيْحَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ أَخِيكَ مِرَارًا، لَوْ سَمِعَهَا مَا أَفْلَحَ بَعْدَهَا أَبَدًا، إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ مَادِحًا أَخَاهُ لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ: أَحْسَبُ فُلَانًا كَذَا وَكَذَا، إِذَا عَلِمَ مِنْهُ ذَلِكَ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِهِ، وَلَا أُزَكِّي عَلَى اللهِ أَحَدًا.» (صحيح بخارى، كتاب الشهادات، باب إذا زكى رجل رجلا كفاه: 2662-صحيح مسلم، كتاب الزهد والرقائق، باب النهي عن المدح، إذا كان فيه إفراط وخيف منه فتنة....:3000)

"تجھ پر افسوس ہے تُونے اپنے (مسلمان) بھائی کی گردن کاٹ دی، آپ ﷺ نے یہ کئی مرتبہ فرمایا: اگر وہ شخص (جس کی تُونے تعریف کی ہے) اسے سُن لیتا تو وہ اس کے بعد کبھی کامیابی نہ پاتا، اس لیے اگر تم میں سے کسی کو اپنے مسلمان بھائی کی ضرور ہی تعریف کرنی ہو اور وہ اس کی خوبی کو جانتا ہو تو اسے یوں کہنا چاہیے کہ میں فلاں شخص کو ایسا ایسا سمجھتا ہوں، باقی اللہ تعالیٰ اسے بہتر جانتا ہے، میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کو بے عیب نہیں کہہ سکتا۔"

یعنی کسی مسلمان بھائی کی تعریف کرنا بھی ہو تو اس کی خوبی یا اچھائی کے بارے میں اپنی رائے تو دی جا سکتی ہے لیکن حتمی نہ قرار دیا جائے بلکہ یوں کہہ دینا چاہیے کہ میری رائے میں تو وہ فلاں فلاں خوبی کا حامل ہے، باقی حقیقتِ حال سے اللہ ہی واقف ہے۔

ہمام بن حارث بیان کرتے ہیں کہ

جَعَلَ رَجُلٌ يُثْنِي عَلَى عُثْمَانَ فَقَامَ الْمِقْدَادُ فَجَعَلَ يَحْثِي عَلَيْهِ التُّرَابَ وَقَالَ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ نَحْثِيَ فِي وُجُوهِ الْمَدَّاحِينَ التُّرَابَ. (صحيح مسلم، كتاب الزهد والرقائق، باب النهي عن المدح، إذا كان فيه إفراط وخيف منه فتنة على الممدوح:3002)

"ایک آدمی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی تعریف کرنے لگا تو سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اس پر مٹی ڈال دی اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم تعریف کرنے والوں کے مونہوں میں مٹی ڈال دیں۔"

بہ وجہِ انکساری خود ستائی کو ناپسند کرنا

سیدنا عبد اللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ وہ بنو عامر کے ایک وفد کے ہمراہ نبی ﷺ کے پاس آئے، کہتے ہیں کہ

فَأَتَيْنَا فَسَلَّمْنَا عَلَيْهِ ثُمَّ قُلْنَا: أَنْتَ وَالِدُنَا، وَأَنْتَ سَيِّدُنَا، وَأَنْتَ أَطْوَلُنَا عَلَيْنَا طَوْلًا، وَأَنْتَ الْجَفْنَةُ الْغَرَّاءُ، قَالَ: قُولُوا بِقَوْلِكُمْ، وَلَا تَسْتَجِرُّكُمُ الشَّيَاطِينُ- وَرُبَّمَا قَالَ غَيْلَانُ: «وَلَا تَسْتَهْوِيكُمُ الشَّيَاطِينُ»-«أَنَا مُحَمَّدٌ عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ، مَا أُحِبُّ أَنْ تَرْفَعُونِي فَوْقَ مَنْزِلَتِي الَّتِي أَنْزَلَنِي اللهُ عَزَّ وَجَلَّ.» (سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في كراهية التمادح:4806 -مسند أحمد:241/3)

"ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے سلام کیا، پھر ہم نے کہا: آپ ﷺ ہمارے باپ (بجا) ہیں، آپ ﷺ ہمارے سردار ہیں، آپ ﷺ ہم سب سے زیادہ ہم پر سخاوت کرنے والے ہیں اور آپ ﷺ بہت ہی فیاض و مہربان ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم اپنی بات کہہ لو، لیکن شیاطین تمہیں اپنے پیچھے نہ لگا لیں، یا یوں فرمایا کہ شیاطین تمہیں اپنے جال میں نہ پھنسا لیں، میں (فقط) محمد، اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، مجھے یہ بالکل پسند نہیں ہے کہ تم مجھے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مقام و مرتبے سے بڑھا چڑھا کر کوئی مقام دو۔"

ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کرنا مسنون عمل

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا يَسْرُدُ الْكَلَامَ كَسَرْدِكُمْ هٰذَا، كَانَ فَصْلًا يُبَيِّنُهُ، يَحْفَظُهُ كُلُّ مَنْ يَسْمَعُهُ. (سنن ترمذی، أبواب المناقب: 3639-الشمائل المحمدية للترمذي: 112)

"رسول اللہ ﷺ تمہاری طرح تیز تیز باتیں نہیں کیا کرتے تھے بلکہ آپ ﷺ ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے، جسے ہر سننے والا یاد کر لیتا۔"

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

كَانَ فِي كَلَامِ رَسُولِ اللهِ ﷺ تَرْتِيلٌ. (سنن أبوداؤد، كتاب الأدب:4838)

"رسول اللہ ﷺ کے کلام میں انتہائی ٹھہراؤ ہوتا تھا۔"

مختصر گفتگو کرنا سمجھداری کی علامت

سیدنا ابو وائل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

خَطَبَنَا عَمَّارٌ فَأَبْلَغَ وَأَوْجَزَ، فَلَمَّا نَزَلَ قُلْنَا: يَا أَبَا الْيَقْظَانِ لَقَدْ أَبْلَغْتَ وَأَوْجَزْتَ، فَلَوْ

كُنْتَ تَنَفَّسْتَ، فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ طُولَ صَلَاةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهِ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهِ، فَأَطِيلُوا الصَّلَاةَ وَأَقْصِرُوا الْخُطْبَةَ، وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا.» (صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة: 869-مسند أحمد:264/4)

''سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے ہمیں انتہائی بلیغ اور بہت مختصر خطبہ دیا، جب وہ (منبر سے) اُترے تو ہم نے کہا: اے ابو یقظان! آپ نے انتہائی بلیغ اور بہت مختصر خطبہ دیا ہے اگر آپ تھوڑا لمبا کر دیتے تو اچھا ہوتا، تو سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: آدمی کا نماز لمبی ادا کرنا اور خطبہ مختصر دینا اس کے سمجھدار ہونے کی نشانی ہے، سو تم نماز لمبی پڑھا کرو اور خطبہ مختصر دیا کرو اور بلاشبہ کوئی بیان جادو اثر ہوتا ہے۔''

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

أَنَّ رَجُلًا قَامَ فَأَكْثَرَ الْقَوْلَ، فَقَالَ عَمْرٌو: لَوْ قَصَدَ فِي قَوْلِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «لَقَدْ رَأَيْتُ أَوْ أُمِرْتُ أَنْ أَتَجَوَّزَ فِي الْقَوْلِ، فَإِنَّ الْجَوَازَ هُوَ خَيْرٌ.» (سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب ما جاء في المتشدق...:5008)

''ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے بہت ساری باتیں کیں، تو سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر یہ اپنی بات میں میانہ روی اپناتا تو اس کے لیے بہتر ہوتا، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: میرا خیال ہے، یا (فرمایا کہ) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اپنی بات میں میانہ روی اپناؤں، کیونکہ بلاشبہ میانہ روی خیر و بھلائی ہی ہے۔''

اکتاہٹ کے خدشے سے مناسب وعظ و نصیحت

سیدنا ابو وائل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

كَانَ عَبْدُ اللهِ يُذَكِّرُ يَوْمَ الْخَمِيسِ، فَقِيلَ لَهُ: لَوَدِدْنَا أَنَّكَ ذَكَّرْتَنَا كُلَّ يَوْمٍ، فَقَالَ: إِنِّي أَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ، إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ كَرَاهِيَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا. (صحيح بخاری، كتاب الدعوات، باب الموعظة ساعة بعد ساعة: 6411-صحيح مسلم، كتاب صفة القيامة، باب الاقتصاد في الموعظة:2821)

''سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو ہمیں وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے، ان سے کسی نے کہا: ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں روزانہ وعظ فرمایا کریں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں تمہیں مقررہ دِنوں میں ہی وعظ کیا کروں گا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ بھی ہمارے اُکتا جانے کو ناپسند کرنے کی وجہ سے ہمیں مقررہ دِنوں میں ہی وعظ فرمایا کرتے تھے۔''

سیدنا عمر بن خطاب، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عباس اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے بھی لمبے وعظ کی ناپسندیدگی روایت کی گئی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا عبید بن عمر سے فرمایا: لوگوں کو اُکتاہٹ میں ڈالنے اور مایوس کرنے سے بچو۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: لوگوں کو تب تک وعظ و نصیحت کرو، جب تک ان کے دِل تمہاری طرف متوجہ رہیں، لیکن جب ان کے دِل تم سے مُڑ جائیں تو پھر ان سے بات نہ کرو۔ پوچھا گیا کہ اس کی کیا علامت ہے کہ ان کے دِل متوجہ ہیں یا نہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: جب وہ اپنی نظریں تم پہ گاڑے تمہاری باتیں کر رہے یا سُن رہے ہوں تب تک ان سے مخاطب رہو اور جب وہ ایک دوسرے پر ٹیک لگانے اور جمائیاں لینے لگیں تو اپنی بات ختم کر دو۔''

تکلف اور تصنع کے ساتھ گفتگو کرنے کی مذمت

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِشِرَارِ هَذِهِ الْأُمَّةِ؟ الثَّرْثَارُونَ، الْمُتَشَدِّقُونَ، الْمُتَفَيْهِقُونَ، أَفَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِخِيَارِهِمْ؟ أَحَاسِنُهُمْ أَخْلَاقًا.» (السنن الكبرى للبيهقي:194/10)

''کیا میں تمہیں اس اُمت کے بدترین لوگوں کا نہ بتلاؤں؟ وہ بہت زیادہ باتیں کرنے والے، باچھیں ہلا ہلا کر بولنے والے اور بڑھا چڑھا کر بات کرنے والے ہیں۔ کیا میں تمہیں ان کے اچھے لوگوں کا نہ بتلاؤں؟ یہ وہ ہیں جو ان میں سب سے اچھے اخلاق والے ہیں۔''

اَلثَّرْثَارُ کا معنیٰ ہے بہت زیادہ بولنے والا اور فضول و بے مقصد باتیں کرنے والا، جسے ہم باتونی کہتے ہیں، اَلْمُتَشَدِّقُ کا مطلب ہے لوگوں کو متاثر کرنے اور انہیں اپنی عمدہ کلامی باور کروا کر ان کے دِل موہ لینے کے لیے باچھیں ہلا ہلا کر اور جبڑے موڑ کر (یعنی منہ کے مختلف انداز بنا کر) تکلّف سے بولنے والا اور اَلْمُتَفَيْهِقُ سے مراد وہ ہے جو کلام میں وسعت پیدا کرتا جائے، یعنی الفاظ و کلمات کو مختلف انداز سے دوہرا دوہرا کر اپنی بات کو لمبا کرنے والا۔ بعض مقررین متذکرہ بالا امور کو اپنے تئیں ادیبانہ اور خطیبانہ خصلت سمجھتے ہیں اور عمداً و تکلّفاً ایسے انداز اپناتے ہیں، حالانکہ ایسا کرنے والوں کو نبی مکرم ﷺ نے اس اُمت کے بدترین لوگ کہا ہے۔ ممانعت میں اس قدر شدّت کی وجوہ یہ ہیں کہ ان امور سے اولاً تو خلوص کی بجائے بناوٹ اور دکھاوا ہوتا ہے جو کہ کسی بھی عمل کے عدم قبولیت کا اوّلیں سبب ہے، دوسرا اس طرح عجز وانکساری بھی نہیں رہتی بلکہ بڑائی کا اظہار ہوتا ہے اور آدمی مخاطبین پر اپنا علمی و ادبی رعب بٹھانے کی کوشش کرتا ہے جو کہ شرعاً قطعی ناجائز بلکہ حرام ہے اور دوسری قباحت یہ ہے کہ اس طرح کے تکلفات سے گفتگو اس قدر مشکل اور پیچیدہ ہو جاتی ہے کہ بہت سے سامعین کے فہم سے بالاتر رہتی ہے اور

یوں مقرر اور سامع دونوں اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام رہتے ہیں، لہٰذا ان ممنوعہ امور سے بالکل احتراز کرنا چاہیے اور سادہ وعام فہم انداز وکلمات اپنانے چاہییں، کیونکہ بات جس قدر سادہ ہو گی اتنی ہی جلدی سمجھ میں آئے گی اور اللہ تعالیٰ بھی دل سے نکلی ہوئی بات میں، خواہ وہ سادہ سے انداز میں ہی کہی گئی ہو، ایسی تاثیر پیدا کر دیتا ہے کہ وہ دِلوں میں اثر کر جاتی ہے اور سامعین بھی اس سے بخوبی حظ اٹھاتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ يُبْغِضُ الْبَلِيغَ مِنَ الرِّجَالِ الَّذِي يَتَخَلَّلُ بِلِسَانِهِ كَمَا تَتَخَلَّلُ الْبَاقِرَةُ بِلِسَانِهَا.» (سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب ما جاء في المتشدق في الكلام:5005-سنن ترمذي، أبواب الأدب، باب ما جاء في الفصاحة والبيان: 2853- سلسلة الأحاديث الصحيحة:880)

"یقیناً اللہ تعالیٰ لوگوں میں سے ایسے بلاغت والے شخص سے بغض و نفرت کرتا ہے جو اپنی زبان کو ایسے چلائے جیسے گائے اپنی زبان کو چلاتی ہے۔"

یہ تشبیہ ایسے شخص کے ساتھ دی گئی ہے جو گفتگو کرتے ہوئے تکلّفاً بناوٹ اور تصنع کا سا انداز اپناتا ہے اور طرح طرح سے منہ کے مختلف انداز بناتا ہے۔

جو چیز ملی نہ ہو اس سے شکم سیری کے اظہار کی ممانعت

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ

جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ أَيَصْلُحُ لِي أَنْ أَقُولَ: أَعْطَانِي زَوْجِي وَلَمْ يُعْطِنِي أَنَّ عَلَيَّ ضَرَّةً؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُورٍ.» (صحيح بخاری، كتاب النكاح، باب منه: 5219- صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب النهي عن التزوير في اللباس وغيره والتشبع بما لم يعط:2130)

"ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! میری ایک سوکن ہے، تو) کیا یہ میرے لیے درست ہے کہ میں (اسے جلانے کے لیے یہ) کہوں کہ میرے خاوند نے مجھے (فلاں چیز) دی ہے حالانکہ اس نے دی نہ ہو، تو کیا اس کا مجھ پر کوئی گناہ ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی ایسی چیز پر شکم سیری کا اظہار کیا جو اسے ملی ہی نہ ہو تو وہ جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والے کے مانند ہے۔"

اس حدیث میں اس عورت یا اس شخص کا حکم بیان کیا گیا ہے جسے کسی نے کوئی چیز نہ دی ہو لیکن وہ لوگوں کو کہتا پھرے کہ مجھے فلاں نے یہ چیز دی ہے اور جھوٹ کے دو کپڑوں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ اس کو دو طرح کا نقصان ہوا، ایک تو وہ اس چیز سے بھی محروم رہا، یعنی وہ چیز اسے سرے سے ملی بھی نہیں لیکن اس نے یوں ہی کہہ دیا اور دوسرا نقصان یہ کہ اس نے جھوٹ بول کر گناہ کما لیا۔ ویسے یہ حکم عام ہے، لیکن اس حکم کے صدور کی جو وجہ حدیث میں مذکور ہے اور سوال کرنے والی عورت نے جس بنیاد پر یہ مسئلہ پوچھا تھا درحقیقت وہ بجائے خود ایک بُرا عمل ہے، یعنی اپنی سوکن کو جلانے کے لیے جھوٹ بولنا۔ لہٰذا اس ایک برے عمل سے کتنی اور بھی برائیاں متعلق ہیں جس وجہ سے اس کی قباحت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

مولانا شعیب احمد میرپوری اور انکے برادران کو صدمہ

مولانا شعیب احمد میرپوری کے بڑے بھائی چوہدری اللہ دتہ کا چند سال قبل انتقال ہو گیا، چونکہ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی، تو مولانا شعیب احمد میرپوری اپنی بھابی صاحبہ کو اپنے گھر بانبری لے آئے اور ان کی نگہداشت کر رہے تھے۔ 13 سال قبل ان کی بھابی صاحبہ بالکل بستر پر ہو گئیں تو مولانا شعیب احمد میرپوری کی اہلیہ دل وجان سے ان کی خدمت کرتی رہیں۔ یوں سمجھیے اگر مولانا شعیب احمد میرپوری اللہ کے ولی ہیں تو ان کی اہلیہ اللہ کی ولیہ ہیں۔ ایک طویل عرصہ اپنی بھاوج کی دل وجان سے خدمت کرتی رہیں، یہاں تک کہ ان کا قت موعود آ گیا اور وہ بھی اس دنیا سے کوچ کر گئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مولانا شعیب احمد کے سارے بھائی حاجی حبیب احمد، الیاس احمد، محمد حنیف، فیاض احمد سابق میئر بانبری، اقیاص احمد کے علاوہ چوہدری محمد یونس، چوہدری یوسف کے علاوہ برادری کے سارے لوگ برطانیہ کے طول وعرض سے جنازہ میں حاضر تھے۔ ان کے علاوہ حاجی ذوالفقار قریشی ڈڈلی، حاجی عبد الجبار قریشی، جناب عبد الرحمٰن قریشی، قاری سید یعقوب علی، محمد عبد الرؤف ریاضی اور بہت سے دوست واحباب واقارب شریک جنازہ تھے۔ مولانا محمد عبد الہادی العمری، مولانا حفیظ اللہ خان المدنی، قاری ذکاء اللہ سلیم، برادر عجائب خان، ڈاکٹر عبد الرب ثاقب اور بہت سے علمائے کرام نے مولانا شعیب احمد میرپوری امیر مرکزی جمعیۃ اہل حدیث برطانیہ سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے دعا کی ہے کہ اللہ پاک ان کی بھابی صاحبہ کی مغفرت فرمائے جو 80 سال کی عمر میں دار فانی سے کوچ کر گئیں اور ان کے متعلقین کو صبر جمیل بخشے۔ آمین یارب العالمین

جو شاخ دفن ہوئی تب کھلا ہے پھول اس پر
کہ پہلے موت ہوئی بعد میں شباب آیا

(ڈاکٹر عبد الرب ثاقب العمری)

توسل بالذات کا تصور

سوال: احادیث میں کچھ ایسے واقعات بھی بیان ہوتے ہیں جن سے توسل بالذات کا تصور ابھرتا ہے۔ ایک تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اللہ کے رسول ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بزمانہ قحط بارش کے نزول کے لئے وسیلہ اختیار کرنے کا ذکر ہے اور دوسرا ایک نابینا شخص کا واقعہ ہے، جس نے اپنی بصارت کے عود کر آنے کے لئے نبی ﷺ سے درخواست کی تھی اور نبی ﷺ نے پھر اسے کچھ کلمات ادا کرنے کو کہا تھا کہ جس سے توسل بالذات درست دکھائی دیتا ہے، ان دونوں واقعات کے بارے میں وضاحت مطلوب ہے۔

جواب: آج کی نشست میں پہلے واقعے کو لیتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بارش کی بندش کی بنا پر سخت قحط پڑا تھا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے دعا کی درخواست کی۔ حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا قَحَطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ (صحیح بخاری)

”جب لوگ قحط کا شکار ہوتے تو سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے بارش کے نزول کی استدعا کرتے اور یہ الفاظ ادا کرتے کہ ہم تیرے نبی کے وسیلہ سے تجھ تک رسائی اختیار کرتے ہیں تو تُو ہمیں بارش سے نوازتا تھا اور (اب) ہم تجھ تک تیرے نبی کے چچا کے وسیلے سے رسائی اختیار کرتے ہیں تو ہمیں بارش سے نواز دے۔“ اور پھر وہ بارش سے نوازے جاتے۔“

اس موضوع پر ہمارے شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے سیر حاصل بحث کی ہے، اسی کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

” اگر اس واقعے سے متعلق تمام روایات کو جمع کیا جائے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس قول

(إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا)،

(ہم تجھ تک اپنے نبی کے وسیلے سے پہنچا کرتے تھے) کے بعد یہاں ایک چیز محذوف معلوم ہوتی ہے، وہ ان دونوں باتوں میں سے ایک ہو سکتی ہے۔

ایک تو یہ کہ ہم نبی ﷺ کی جاہ و منزلت کا وسیلہ اختیار کرتے تھے اور اب ہم ان کے چچا کی جاہ و منزلت کا وسیلہ اختیار کرتے ہیں۔

یا کہ یہ تیرے نبی کی دعا کا وسیلہ اختیار کرتے تھے اور اب ہم تیرے نبی کے چچا کی دعا کا وسیلہ اختیار کرتے ہیں۔

اب دیکھیں کہ ان دونوں باتوں میں سے کون سی بات سنت اور تعامل صحابہ سے مطابقت رکھتی ہے!

قحط اور خشک سالی کے زمانہ میں کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھروں میں بیٹھ کر یا کسی دوسری جگہ پر جمع ہو کر نبی ﷺ کی غیر موجودگی میں یوں کہا کرتے تھے کہ اے اللہ ! نبی محمد ﷺ کی جو حرمت اور عزت تیرے نزدیک ہے یا ان کی جو قدر و منزلت تیرے پاس پائی جاتی ہے یا ذات محمد ﷺ کے وسیلے سے ہم کہتے ہیں کہ ہمارے اوپر بارش نازل کر!

یا وہ نبی ﷺ کے پاس بنفس نفیس حاضری دیتے تھے اور پھر اپنی ضرورت بیان کر کے ان سے دعا کے طالب ہوتے تھے؟

اور پھر اللہ کے نبی ﷺ ان کی استدعا کو قبول کرتے ہوئے باری تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعا کرتے کہ جس کے نتیجے میں بارانِ رحمت نازل ہو جاتا۔

اب سنت کے سارے ذخائر دیکھ لیں، کہیں ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ انہوں نے پہلی صورت اختیار کی ہو۔ سنت سے جو بات ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب کبھی ایسی صورتحال پیش ہوتی تو وہ نبی ﷺ کے پاس خود حاضر ہوتے اور ان سے دعا کی درخواست کرتے، اور یہ بات اس آیت سے بھی معلوم ہوتی ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾ (سورۃ النساء: 64)

”اور جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہوتا تو کیوں نہ وہ تیرے پاس آتے اور پھر وہ اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کرتے تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔“

ایسے چند واقعات کا ابتداء مضمون میں ذکر ہو چکا ہے۔

2۔ خود عرب جاہلیت میں توسل کا یہی طریقہ معروف تھا اور آج کل کے دستور کے مطابق بھی ایسا ہی کیا جاتا ہے کہ اگر اس شخص کو صدر محکمہ یا کمپنی کے مینیجر سے کوئی کام کروانا ہے۔ تو وہ اپنے کسی ایسے دوست کے پاس جاتا ہے جس کے صدر محکمہ یا مینیجر کسی کے ساتھ اچھے اور گہرے تعلقات ہیں تو وہ اسے

درخواست کرتا ہے کہ وہ اُس کا کام کروادے۔
اور پھر اس کا یہ دوست جسے ہم وسیط یا مڈل مین کہیں گے، صدر یا مینیجر کے پاس جاکر اپنا مدعا بیان کرتا ہے اور جس کے نتیجے میں وہ کام ہو جاتا ہے اور ایسی صورت میں سائل یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے اس کام کو پورا کروانے کے لیے فلاں شخص کا وسیلہ اختیار کیا تھا۔کوئی بھی یہ نہیں سمجھتا کہ اس کی مراد یہ ہے کہ وہ صدر یا مینیجر سے یوں مخاطب ہوا کہ میں اس آدمی کا واسطہ دیتا ہوں جو آپ کے نزدیک بڑا قابل احترام ہے کہ آپ میرا یہ کام کر دیں۔
اور اس مفہوم کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود یہ بات کہتے نظر آتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تو ہم خود ان کے پاس آکر ان سے دعا کی درخواست کرتے تھے اور اب جب کہ وہ وفات پا چکے ہیں تو ہم ان کے چچا کے پاس اکر ان کا وسیلہ اختیار کرتے ہیں۔یعنی وسیلے کا مفہوم سمجھا دیا کہ اس سے مراد اُن سے دعا کروانا ہے۔
ظاہر ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کسی بھی دوسری بزرگ شخصیت کے پاس اس کام کے لئے جانا ناقابل تصور تھا اور اب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آنا اس لئے ممکن ہوا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور ان سے دعا کروانا ممکن نہیں رہا تھا۔
اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اعتقاد ہوتا کہ وفات کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اختیار کیا جاسکتا ہے تو کیا پھر وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آنے کی زحمت گوارا کرتے اور اگر صحابہ کرام علیہم السلام کا کبھی یہی عقیدت ہوتا تو کیا وہ اس بات کو برداشت کر لیتے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ چھوڑ کر کسی اور کا وسیلہ اختیار کر رہے ہیں، وہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کسی اور کے پیچھے نماز پڑھنے کے بھی روادار نہ تھے، اور ایک دو واقعات ایسے ہوئے بھی ہیں تو اس کا کوئی سبب موجود تھا، جیسے سفر کے دوران نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی میں عبدالرحمٰن بن عوف کا نماز پڑھانا یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت ہی سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا نماز پڑھانا۔
یہاں ایک شبہ اور ڈالا جاتا ہے کہ افضل کی موجودگی میں مفضول (یعنی کم تر فضیلت رکھنے والے) کا وسیلہ اختیار کرنا جائز ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ اس سے زیاد مضحکہ خیز بات کوئی نہیں ہو سکتی کہ کہیں آگ لگی ہو۔ قریب ہی پانی کا نل بھی موجود ہو اور لوگ بجائے اس کے کہ نل سے پانی بجھائیں وہ گلاس بھر کر آگ بجھانے کی کوشش کریں۔یعنی مصیبت بڑی ہو تو اس کو دفع کرنے کے لئے بڑی تدبیر ہی اختیار کی جاتی ہے اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی ان کا وسیلہ جائز ہوتا تو نہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلکہ تمام صحابہ کرام بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ چھوڑ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا کم تر درجے والا وسیلہ نہ اختیار کرتے۔ خود مشرکین عرب بھی شدائد کے اندر اپنے تمام مزعومہ خداؤں یعنی بتوں کو چھوڑ کر صرف اللہ ہی کو پکارا کرتے تھے۔
3۔اب دیکھئے کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کی درخواست کی گئی تو انہوں نے کیا واقعی دعا کی تھی یا نہیں! علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے الزبیر بن بکار کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دعا کی۔

اللّٰهُمَّ إنه لا ينزل بلاء إلا بذنب ولم يكشف إلا بتوبة ، وقد توجه بي القوم إليك لمكاني من نبيك وهذه أيدينا إليك بالذنوب ، ونواصينا إليك بالتوبة ، فاسقنا

”اے اللہ! کوئی مصیبت بغیر کسی گناہ کے نازل نہیں ہوتی اور یہ مصیبت سوائے توبہ کے کبھی نہیں ٹلتی اور یہ لوگ میرے واسطے سے تیری طرف رخ کرتے ہیں (یہ جانتے ہوئے) کہ تیرے نبی سے میرا کیا تعلق تھا اور تیری طرف یہ ہیں ہمارے ہاتھ گناہوں کے ساتھ، اور تیری طرف یہ ہیں ہماری پیشانیاں توبہ کے ساتھ۔تو ہمیں بادل برسارے۔“
راوی کہتا ہے تو پھر آسمان پہاڑوں کی طرح جھک گئے اور زمین جل تھل ہوگئی اور لوگوں کو گزران حاصل ہوگیا۔“ (فتح الباری 3: 150/)
اس روایت سے واضح ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ اختیار کرنا ان کی دعا کے واسطے سے تھا۔یعنی جس قسم کا وسیلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی شکل میں ظاہر ہوا تھا، بعینہ وہی وسیلہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا کی شکل میں ظاہر ہوا۔
اور اگر دعا مطلوب نہ ہوتی اور صرف ذات کا وسیلہ ہی جائز ہوتا تو پھر ایک بزرگ شخصیت کے پاس آنا اور اس سے دعا کی درخواست کرنا بے معنی ہو جاتا، صرف ذات شخص کا نام لے کر وسیلہ اختیار کر لیا جاتا، لیکن چونکہ وسیلے سے مراد دعا کروانا تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا رخ کیا اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور الضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے اپنے اپنے وقت میں ایک اور بزرگ ہستی یزید بن الاسود الجرشی سے دعا کی استدعا کی۔
وسیلے کا یہی مفہوم ایک صحیح مفہوم ہے جو مذکورہ تفصیل کی روسے نکھر کر ہمارے سامنے آگیا ہے۔
اگلی نشست میں ہم ایک نابینا آدمی سے متعلق حدیث کا جائزہ لیں گے۔

☆☆☆

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہوئی تھی۔اس ماہ میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلیں اور مجلسیں کرنے کی کوئی شرعی دلیل نہیں۔ شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور قاضی محمد بن علی شوکانی نقشبندی و دیگر علماء رحمۃ اللہ علیہم ہمیشہ اس امر کو بدعت وضلالت قرار دیتے چلے آئے ہیں۔

جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فرشتوں کے ذریعے مدد فرمانا

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ سیدنا ابو اسید رضی اللہ عنہ نے کہا، جب ان کی بصارت چلی گئی، اے میرے بھتیجے! اللہ کی قسم! اگر میں اور تم جنگ بدر کے دن ہوتے پھر اللہ میری بصارت لوٹا دیتا۔ تو میں تمہیں وہ گھاٹی دکھاتا جس سے ہم پر فرشتے ظاہر ہوئے بغیر کسی شک اور اختلاف کے۔(البدایہ والنہایہ لابن کثیر: 280/3)

سیدنا عروہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن سیدنا جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے، خاص طور پر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ پر اور وہ اس وقت زرد رنگ کی پگڑی باندھے ہوئے تھے۔(مستدرک حاکم:3/361)

فرشتوں کا سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھانا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نعمان بن امرئ القیس بن زید بن عبد الاشہل کا جنازہ اٹھایا گیا تو منافقوں نے کہا کہ ان کا جنازہ کتنا ہلکا ہے اور یہ اس لیے کہ انہوں نے بنی قریظہ کے تعلق سے جو فیصلہ کیا تھا، یہ بات نبی کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”فرشتے ان کا جنازہ اٹھائے ہوئے تھے۔“ (صحیح ابن حبان:6993)

یہود بنو قریظہ نے جنگ کے دوران بدترین غداری کی اور انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کئے ہوئے حلیفانہ معاہدے کو توڑ ڈالا، جنگ خندق کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریضہ کے محلے کا محاصرہ کر لیا اور اس میں اتنا سخت رویہ اختیار کیا کہ چند دنوں کے بعد انہوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیئے کہ ان کے معاملے میں رئیس الاوس سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جو فیصلہ کیا، اسے فریقین نے مان لیا۔ ان غداروں نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو اس امید پر حکم بنایا تھا کہ وہ قبیلہ اوس کا خیال رکھیں گے۔ اس لیے کہ اوس اور بنو قریظہ میں مدتوں حلیفانہ تعلقات قائم تھے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ آئے ور انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ قبیلہ اوس کے مر جانے والے تمام مرد قتل کر دیئے جائیں گے، عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کی جائیدادیں مسلمانوں میں تقسیم کر دی جائیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”سعد تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے، اس لیے منافقوں کو سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے بغض تھا۔“

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کا دمشق کی مسجد میں فرشتہ کا دیکھنا

سیدنا عروہ بن رُویم روایت کرتے ہیں کہ

وہ سیدنا عرباض بن سلمہ سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں بڑی عمر کے تھے اور وہ پسند کرتے تھے کہ وہ وفات پا جائیں اور دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! میری عمر بڑھ گئی ہے اور میری ہڈیاں پتلی ہو گئی ہیں، لہٰذا تو مجھے وفات دے دے، انہوں نے کہا کہ ایک دن میں دمشق کی مسجد میں تھا کہ ایک بہت ہی خوبصورت نوجوان آیا اور اس کے اوپر سبز رنگ کا سایہ تھا۔ اس نے کہا کہ کیا دعا کر رہے ہو؟ میں نے کہا کہ اے میرے بھتیجے میں کیسے دعا کروں؟ اس نے کہا کہ کہیئے: اے اللہ! اچھے عمل کی توفیق دے جو موت تک جاری رہے، میں نے کہا کہ تم کون ہو، اللہ تم پر رحم فرمائے؟ تو انہوں نے کہا کہ میں ریاپائیل (فرشتہ) ہوں جو مؤمنوں کے دلوں سے حزن وملال کو دور کرتا ہوں۔(طبرانی الکبیر: 616/18)

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موت پر اللہ کا عرش ہل گیا

ابو الزبیر روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جب کہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھا کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کی موت سے عرش ہل گیا۔(جامع ترمذی: 3849)

یہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی دوسری کرامت ہے، پہلی کرامت یہ تھی کہ ان کا جنازہ بہت ہلکا تھا، اس لیے کہ فرشتوں نے ان کے جنازہ کو اٹھایا ہوا تھا اور دوسری کرامت یہ کہ ان کی وفات سے اللہ کا عرش ہل گیا۔ اللہ اکبر کبیرا

فرشتوں کا سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کو غسل دینا

یحییٰ بن عباد روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بچھڑ گئے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض ایک پہاڑ پر پہنچ گئے جو مدینہ کے کنارے پر ہے، پھر وہ سب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس آئے اور حنظلہ ابو عامر اور ابو سفیان بن حرب ایک جگہ جمع ہوئے، جب حنظلہ ابو سفیان پر غلبہ پانے کی کوشش کر رہے تھے، تو ان کو شداد بن اسود نے دیکھ لیا اور اپنی تلوار سے سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ ابو سفیان کو قتل کرنے کے قریب تھے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تمہارے ساتھی سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں، انہوں نے سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کی بیوی سے پوچھا تو بیوی نے کہا کہ جب اعلان جنگ ہوا تو وہ اس حال میں جنگ کے لیے نکلے کہ وہ جنبی (ناپاک) تھے تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اسی لیے فرشتوں نے انہیں غسل دیا ہے۔" (صحیح ابن حبان: 6986)

غسل کرنے سے کہیں تاخیر نہ ہو جائے، اس لیے سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ اعلان جنگ سنتے ہی میدان میں کود پڑے اور یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اسی وقت اتنا پانی گھر میں موجود تھا کہ نہیں۔ اللہ اعلم بالصواب

شوق شہادت اتنا زیادہ کہ ذرا سی تاخیر بھی اس میں برداشت نہیں ہوئی۔ اللہ اکبر کبیرا

سیدنا مالک بن عبد اللہ خثعمی کی کرامت

سیدنا حسان جو مالک بن عبد اللہ الخثعمی کے مولیٰ تھے، وہ روایت کرتے ہیں اور سیدنا مالک رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے صحابہ میں سے تھے، انہوں نے کہا کہ میں نے مالک بن عبد اللہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، ان کی پنڈلی میں ایک رگ تھی، جس پر 'للہ' لکھا ہوا تھا، میں اس رگ کو دیکھ رہا تھا، مالک بن عبد اللہ نے کہا کہ تم کیا دیکھ رہے ہو، مگر یہ لفظ کسی کاتب نے نہیں لکھا۔ (مجمع الزوائد: 9/406)

☆☆☆

تنہا نہ لڑیں گے

دل بند دِل زار کے ہمراہ جگر بند
لب بند ، زباں بند ، فغاں بند نظر بند
جاں بند ، نفس بند، قلم بند ، خبر بند
پابند روش بند ، ہر اک راہ گزر بند
تم دین کے خدام کو کر دو گے اگر بند
ہو جائے گی پھر یاد رکھو موجِ ظفر بند
ہاں جسم تو ممکن ہے کہ ہو جائے نظر بند
دیکھیں تو عزائم کو کرے کون مگر بند
کر لو گے بھی تم حق کے مسافر کو اگر بند
ہو جائے گا کیا اس سے کہیں ذوقِ سفر بند
وہ دین کیا جس نے در فتنہ و شر بند
اپنوں ہی کے ہاتھوں سے ہوا آج نظر بند
اک بندۂ حق کے لئے بندھن ہیں ہزاروں
یاں بند ہے ، واں بند ، ادھر بند، اُدھر بند
یوں بند کئے جاتے ہیں زندان بلا میں
جس طرح صدف میں کبھی ہو جائے گہر بند
کھلتے ہیں یہ اک چشم زدن غیب سے صد در
مؤمن پہ جو دنیا کبھی کر دے کوئی در بند
پوشیدہ اسیری میں ہے معراج محبت
ہے نالۂ شب گیر میں جس طرح اثر بند
بن جائے نہ کیوں شعلہ جوالہ بھڑک کر
ہو جائے کسی وقت جو بھولے سے شرر بند
ہے نافۂ آہوئے خُتن مُشک سے لبریز
جب اِذن الٰہی سے ہوا خونِ جگر بند
ہم عرصۂ پر کار میں تنہا نہ لڑیں گے
اللہ کے لشکر بھی ہوئے پھر سے کمر بند
یوں گوشۂ زندان مصیبت میں رہیں گے
معدن میں رہیں جیسے کبھی لعل و گہر بند
تو پوں کے دہانوں سے بھی ٹکرائیں گے آخر
ہو گا نہ کبھی جذبۂ پُرشوق نظر بند
کافر ہے تو آزاد فضا اس کو میسر
مؤمن ہے تو پھر دشت و جبل، کوہ و کمر بند
گھبرائیں گے کیوں بند عقیدت سے مجاہد
وہ خود ہی ہوئے جاتے ہیں بے خوف و خطر بند
آجائیں گے ایمان کے ہتھیار سے سج کر
ہو جائیں جو شمشیر و سناں تیغ و سپر بند
اس جادۂ پر شوق میں ہو جاتا ہے اکثر
خود اپنا ہی گھر بند ، پسر بند ، پدر بند
تاراج کیا گلشن ہستی کو خزاں نے
برگِ گل تربند ، نموبند ، ثمر بند
بیگانۂ ہر سود و زیاں ہے دل مومن
اندیشۂ دل باختہ نفع و ضرر بند
پھیلے گا زمانے میں اُجالا ہی اُجالا
ظلمات میں ہوگا نہ کبھی نور قمر بند

(ابو لبیان حماد عمری)

☆☆☆

راستہ روک کر چندہ مانگنا

نبی ﷺ کا نام لے کر لوگوں کا رستہ روک کر، یعنی رسے کے ساتھ گلی یا سڑک بند کر کے چندہ مانگا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ جو ہوتا ہے، یہ نبی ﷺ کے نام پر ہوتا ہے۔ عیسائیوں نے بھی اپنے نبی کے نام پر عید منائی ہے۔ کرسمس ڈے وہ بھی مناتے ہیں، لیکن ان عیسائیوں نے کبھی کسی کا رستہ نہیں روکا، مگر یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود۔ نبی ﷺ نے ساری عمر اپنی ذات کے لیے کسی سے چندہ نہیں مانگا، اپنے میلاد کے لیے چندہ مانگنا تو دور کی بات ہے۔

شریعت اسلامیہ میں رستہ روکنا ہی گناہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِيَّاكُمْ وَالجُلُوسَ عَلَى الطُّرُقَاتِ»، فَقَالُوا: مَا لَنَا بُدٌّ، إِنَّمَا هِيَ مَجَالِسُنَا نَتَحَدَّثُ فِيهَا، قَالَ: «فَإِذَا أَبَيْتُمْ إِلَّا المَجَالِسَ، فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهَا»، قَالُوا: وَمَا حَقُّ الطَّرِيقِ؟ قَالَ: «غَضُّ البَصَرِ، وَكَفُّ الأَذَى، وَرَدُّ السَّلاَمِ، وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ، وَنَهْيٌ عَنِ المُنْكَرِ» (صحیح بخاری: 6229)

راستوں میں بیٹھنے سے بچو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اے کے رسول ﷺ! یہاں بیٹھنا ہماری مجبوری ہے۔ ہم آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ رسول ﷺ نے فرمایا: "اگر تم نے ضرور ہی بیٹھنا ہے تو رستے کو اس کا حق دو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: رستے کا حق کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: نگاہ نیچی رکھنا، تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا دور کرنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کی تلقین کرنا اور برائی سے منع کرنا۔"

جبکہ جشن میلاد کے موقعہ پر راستہ روک کر چندہ مانگا جاتا ہے۔ اگر کوئی نہ دے تو اس پر آوازیں کسی جاتی ہیں۔ اور یہ کام کرنے والوں نے خود شاید بھول کر کبھی نماز بھی نہ پڑی ہو اور ان کے چہرے پر داڑھی بھی نہیں ہوتی جو کہ فرض ہے۔

حدیث نمبر:93

عَنْ أبي هريرة رضي الله عَنْه : «أَنّ رسول الله ﷺ دَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّى، ثُمّ جاءَ فَسَلّمَ عَلَى النّبِيّ ﷺ، فردّ النّبِيُّ ﷺ السّلَامَ فَقَالَ:

«ارْجِعْ فَصَلِّ، فَإِنّك لَمْ تُصَلِّ».

فَرَجَعَ الرجل فَصَلّى كَمَا كان صَلّى، ثُمّ جَاءَ فَسَلّمَ عَلَى النّبِيّ ﷺ، فَقَالَ رسول الله ﷺ: «وعليك السلامُ»، ثم قال :

«ارْجِعْ فَصَلِّ. فَإِنّك لَمْ تُصَلِّ» ــ ثَلاثاً ــ فَقَالَ الرجل :

وَالّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقّ ما أُحْسِنُ غَيْرَهُ، فَعَلّمْنِي، فَقَالَ ﷺ :

«إِذَا قُمْتَ إِلَى الصّلاةِ فَكَبّرْ، ثُمّ اقْرَأْ مَا تَيَسّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ، ثُمّ ارْكَعْ حَتّى تَطْمَئِنّ رَاكِعاً، ثُمّ ارْفَعْ حَتّى تَعْتَدِلَ قَائِماً، ثُمّ اُسْجُدْ حَتّى تَطْمَئِنّ سَاجِداً، ثُمّ ارْفَعْ حَتّى تَطْمَئِنّ جَالِساً، ثمّ افْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلاتِكَ كُلِّهَا». (رواه البخاري، كتاب الأذان، باب أمر النبي ﷺ الذي لا يتم ركوعه بالإعادة:793، وفي لفظ للبخاري، برقم 6251، ومسلم، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة، وإنه إذا لم يحسن الفاتحة، ولا أمكنه تعلمها قرأ ما تيسر له من غيرها:397)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے تو ایک شخص اندر آیا اس نے نماز ادا کی پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا سلام عرض کیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: واپس جاؤ، نماز پڑھو تو نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ واپس لوٹا نماز پڑھی جیسے پہلے نماز پڑھی تھی پھر آیا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: واپس جاؤ، نماز پڑھو تو نے نماز نہیں پڑھی یہ بات تین دفعہ دہرائی اس نے عرض کی مجھے قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس سے بہتر نماز ادا نہیں کر سکتا ہوں، آپ مجھے سکھلا دیجئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو اللہ اکبر کہہ پھر قرآن سے پڑھ جتنا تجھے آسان لگتا ہے پھر رکوع کر یہاں تک کہ تو مطمئن ہو جائے رکوع کرتے ہوئے پھر سر اٹھا یہاں تک کہ تو برابر کھڑا ہو جائے پھر سجدہ کر یہاں تک کہ تو مطمئن ہو جائے سجدہ کرتے ہوئے پھر سر اٹھا یہاں تک کہ تو مطمئن ہو جائے بیٹھے ہوئے اور ایسا ہی کرو، اپنی ساری نماز میں۔

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 : دَخَلَ الْمَسْجِدَ: وہ مسجد میں داخل ہوا۔

2 : صَلّى: اس نے نماز پڑھی۔

3 : اِرْجِعْ: واپس لوٹ جاؤ۔

4 : صَلِّ: نماز پڑھ۔

5 : وَالّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔

6 : ما أُحْسِنُ غَيْرَهُ: میں اس سے بہتر ادا نہیں کر سکتا۔

7 : فَعَلِّمْنِيْ: پس آپ مجھے سکھلائیں۔

8 : اِقْرَأ: پڑھ۔

9: مَا تَيَسّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ: جو آسان لگے تجھے قرآن سے۔

10: ثُمّ ارْكَعْ: پھر رکوع کر۔

11: حَتّٰى تَطْمَئِنّ: یہاں تک کہ تو مطمئن ہو جائے۔ یعنی اتنی دیر ٹھہر یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی اپنی جگہ پر آ جائے۔

12: رَاكِعاً: رکوع کرنے والا۔

13: حَتّٰى تَعْتَدِلَ قَائِماً: یہاں تک کہ تو برابر ہو جائے کھڑا ہونے والا۔ یعنی بالکل سیدھا اعتدال کے ساتھ کھڑا ہونا۔

14: ثُمّ اسْجُدْ: پھر سجدہ کر۔

15 : فِيْ صَلَاتِكَ كُلِّهَا: اپنی تمام نماز میں۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے بعض مسائل اور احکام

1۔ مسجد میں داخل ہونے کے بعد پہلا کام دو رکعت ادا کرنا جیسا کہ اس صحابی نے ادا کی اور اس کے بعد آ کر سلام کیا۔

2۔ مسجد میں صرف ٹھہرنا بھی اجر و ثواب والا عمل ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اس آنے والے شخص سے پہلے ہی مسجد میں تھے۔

3۔ مسجد میں بیٹھے لوگوں کو سلام کرنا اور بیٹھے ہوئے لوگوں کا سلام کا جواب دینا مسنون ہے اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو بعض مواقعوں جیسے نماز، یاذکر و اذکار میں مشغول شخص کو سلام کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

4۔کسی کی غلطی کی اصلاح ضروری ہے مگر علم وحکمت کے ساتھ جیسا کہ اس حدیث مبارکہ میں بیان ہوا ہے۔

5۔اپنے مخصوص کام کی ادائیگی کے بعد اسی کمرے میں بیٹھے شخص کو دوبارہ سلام کرنا سنت ہے جیسا کہ اس صحابی نے ہر بار نماز پڑھ کر آپ کو سلام کیا۔

6۔ہر بار سلام کا جواب دینا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس صحابی کے ہر بار سلام کا جواب دیا۔

7۔بڑے اور استاذ کا حکم ماننا جیسا کہ اس صحابی نے نبی کریم ﷺ کے کہنے پر بار بار نماز پڑھی۔

8۔ایک ہی عمل ٹھیک طریقے سے ادا نہ ہو تو اس کو دہرانا جیسا کہ اس صحابی نے اپنی دو رکعت بار بار دوہرائی۔

9۔اپنے سے زیادہ علم والے سے سیکھنا اور اپنی اصلاح کروانا جیسا کہ اس صحابی رسول نے رسول اکرم ﷺ سے سیکھنے اور اصلاح کی درخواست کی۔

10۔کسی کی غلطی کی اصلاح کا یہ انداز اپنانا کہ اس کو وہی عمل دوبارہ کرنے کا کہنا۔

11۔نماز اور اس کے طریقہ کا اہم ہونا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ صحابی کی غلطی پر خاموش نہیں رہے بلکہ اس کی اصلاح کی۔

12۔نوافل کو صحیح طریقے سے ادا کرنا ضروری ہے جیسا کہ اس صحابی رسول نے دو رکعت نفل ادا کیے تھے اور رسول کریم ﷺ نے اس کی اصلاح فرمائی۔

13۔فرض اور نفل نماز کی ادائیگی کا طریقہ ایک ہی ہے جو چیز فرض نماز میں رکن یا واجب ہے وہ نفل میں بھی رکن و واجب ہے۔ اِلا یہ کہ کسی رکن کا استثناء ثابت ہو جیسے قیام ورکوع ہے۔

14۔عبادات چاہے فرض ہو یا نفل دونوں میں رسول کریم ﷺ کے طریقہ کی اتباع ضروری ہے۔ کیونکہ تمام عبادات توقیفی ہیں یعنی ان میں عقل واجتہاد کا دخل نہیں ہے بلکہ سنت رسول کی پیروی ضروری ہے۔

15۔نماز کے ہر رکن میں اعتدال و اطمینان اسی طرح ضروری ہے جس طرح نماز میں داخل ہونے کے لیے تکبیر تحریمہ ضروری ہے۔ یعنی جس طرح تکبیر تحریمہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی ہے اسی طرح نماز کے ارکان میں اعتدال و اطمینان کے بغیر بھی نہیں ہوتی ہے۔ اعتدال و اطمینان یہ کہ جس رکن میں آپ جائیں وہاں پر آپ کے جسم کے تمام اعضاء اور ہڈیاں اپنی اپنی جگہ پر آرام وسکون پالیں۔

16۔نماز کے ارکان کو بہت جلدی جلدی ادا کرنا جیسا کہ ہمارے لوگ اکثر کرتے ہیں اس سے نماز نہیں ہوتی ہے جیسا کہ اس حدیث مبارکہ ذکر ہے۔

17۔نماز کے ارکان کی ترتیب بھی ضروری ہے۔

18۔اکثر لوگ نماز میں سنت کا اہتمام نہیں کرتے ہیں جو کہ انتہائی خطرناک عمل ہے ہر مسلمان کو چاہیے کہ رسول کریم ﷺ کے طریقہ کو تلاش کر کے اس کے مطابق نماز ادا کرے تاکہ اللہ کے ہاں اجر وثواب پاسکے۔

نماز میں قرأت سے متعلق

حدیث نمبر:94

عَنْ عبادة بن الصامت رضي الله عَنْه أن رسول الله ﷺ قال : «لا صَلاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ». (رواه البخاري، كتاب الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم 756، ومسلم، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة، وإنه إذا لم يحسن الفاتحة، ولا أمكنه تعلمها قرأ ما تيسر له من غيرها: 394)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اسکی نماز نہیں ہوئی۔

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1: لَا : نہیں۔پوری جنس کی نفی کے لیے استعمال ہوا ہے۔

2:صَلَاةَ : نماز۔

3: لِمَنْ :اس شخص کی۔

3: لَمْ يَقْرَءْ:نہ پڑھی۔

4: فَاتِحَةِ الْكِتَابِ:سورہ فاتحہ۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے کیونکہ اسکے بغیر نماز نہیں ہوتی ہے۔

2۔حدیث مبارکہ میں لفظ لا نفی جنس کے لیے استعمال ہوا جیسا کہ کئی دوسری احادیث سے اس کی وضاحت ہوتی۔یہی لا کلمہ طیبہ یعنی لا الہ الا اللہ میں بھی استعمال ہوا ہے ۔ جس طرح کلمہ طیبہ میں الہ جنس کی نفی ہے اسی طرح اس حدیث کے مطابق نماز کی جنس کی نفی ہے یعنی ہر وہ نماز جس کو صلاۃ یعنی نماز کہا گیا ہے مثلاً جنازہ، عیدین، فرض نماز نفل نماز وغیرہ۔

3۔نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کی فرضیت ہر طرح کے نمازی کے لیے کیونکہ حدیث میں لفظ مَنْ استعمال ہوا جو عموم کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی جو بھی چاہے وہ مرد ہو یا عورت بچہ ہو جوان ہو بوڑھا ہو اکیلا ہو جماعت میں ہو مقتدی ہو امام ہو منفرد ہو جو بھی ہر ایک سورہ فاتحہ کے پڑھنے کے حکم میں داخل ہے۔

4۔سورہ فاتحہ جان بوجھ کر یا جہالت کی بنیاد پر یا بھول کر چھوڑ دی جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ سورہ فاتحہ نماز کا رکن ہے۔ کیونکہ اس کی حیثیت رکوع وسجود کی طرح ہے۔

ایمان

لغوی معنی

اَزرُوے لغت 'ایمان' کے معنی تصدیق اور اقرار کے ہیں۔

اہل سنت وجماعت کے نزدیک ایمان کا مفہوم

اہل سنت کے مطابق ایمان مندرجہ ذیل امور سے عبارت ہے:

1۔دل سے اعتقاد رکھنا۔

2۔زبان سے اقرار کرنا۔

3۔اعضا اور جوارح سے عمل کرنا۔

4۔یہ اطاعت وفرماں برداری سے بڑھتا ہے۔

5۔اور معصیت ونافرمانی سے کم ہو جاتا ہے۔

ارکانِ ایمان

ایمان کے چھ ارکان ہیں:

1۔اللہ پر ایمان لانا۔

2۔اُس کے فرشتوں کو ماننا۔

3۔اس کی کتابوں پر ایمان لانا۔

4۔اس کے رسولوں کی تصدیق کرنا۔

5۔یوم آخرت کا اعتقاد رکھنا۔

6۔تقدیر کی اچھائی اور برائی پر ایمان لانا۔

ان میں سے ہر رکن کئی امور کو متضمن ہے جن کی وضاحت درج ذیل ہے:

1۔ایمان باللہ

اس میں درج ذیل امور شامل ہیں:

1۔اللہ کے وجود پر ایمان لانا۔

2۔اُس کی ربوبیت کا اعتقاد رکھنا۔

3۔اس کی الوہیت کو تسلیم کرنا۔

4۔اس کے اسماوصفات پر ایمان لانا۔

2۔ایمان بالملائکہ

یہ امورِ ذیل کو متضمن ہے:

1۔فرشتوں کے وجود کو ماننا۔

2۔جن فرشتوں کے نام معلوم ہیں، اُن کے ناموں کو ماننا، جیسے: جبرئیل علیہ السلام، اور جن کے نام معلوم نہیں، اُن پر اجمالی ایمان لانا۔

3۔فرشتوں کے جو صفات معلوم ہوں، اُنھیں تسلیم کرنا۔

4۔اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے جو اعمال سر انجام دیتے ہیں، اُن میں سے جن کا علم ہو، اُن کی تصدیق کرنا۔

3۔ایمان بالکتب

اس کے تحت درج ذیل امور آتے ہیں:

1۔اِس امر پر ایمان لانا کہ خدا کی طرف سے اِن کا نزول برحق ہے۔

2۔جن کتابوں کے نام معلوم ہیں، اُنھیں تسلیم کرنا، جیسے: قرآن شریف، تورات اور انجیل۔

3۔اِن کی جو خبریں صحیح اور ثابت ہیں، اُن کی تصدیق کرنا، جیسے قرآن کریم کی بتائی ہوئی تمام خبریں بالکل درست ہیں اور کتب سابقہ کی وہ خبریں، جن میں تحریف وتبدّل نہیں ہوا اور ہماری شریعت میں ان کی نقل صحیح طور پر ثابت ہے۔

4۔کتبِ سماویہ کے جو احکام منسوخ نہیں ہیں، اُن پر ایمان لانا اور اظہارِ تسلیم ورضا کرنا، خواہ ان احکام کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ ان تمام کتب سے متعلق یہی رویہ ہونا چاہیے جو قرآن کریم سے منسوخ ہو چکی ہیں۔

4۔ایمان بالرسل

اس میں نکاتِ ذیل شامل ہیں:

1۔اس بات پر ایمان لانا کہ تمام انبیاورسل علیہم السلام کی نبوت ورسالت خدا کی طرف سے برحق ہے۔ جس نے کسی ایک نبی یا رسول اللہ ﷺ کا انکار کیا، وہ سب کا منکر ہے۔

2۔جن پیغمبروں کے نام معلوم ہیں، اُنھیں تسلیم کرنا، مثلاً: حضرت محمد ﷺ، سیدنا ابراہیم، سیدنا موسیٰ، سیدنا عیسیٰ، سیدنا نوح علیہم السلام وغیرہ۔

3۔ان سے متعلقہ اخبار و آثار کی تصدیق کرنا، بشرطیکہ وہ صحیح طور پر ثابت ہوں۔

4۔ہماری طرف جو رسول ﷺ معبوث ہوئے ہیں، اُن کی شریعت پر عمل پیرا ہونا؛ یعنی خاتم الانبیاء والمرسلین سیدنا محمد ﷺ جنھیں تمام جن وانس کے لیے بھیجا گیا ہے۔

3۔ایمان بالآخرۃ

یہ امورِ ذیل کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے:

1۔موت کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان لانا۔

2۔حساب اور جزا وسزا کا اعتقاد رکھنا۔

3۔جنت اور جہنم کو تسلیم کرنا۔

واضح رہے کہ روزِ آخرت پر ایمان میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ اُن تمام معاملات پر ایمان لایا جائے جو موت کے بعد وقوع پذیر ہوں گے؛ قبر کی آزمائش اور عذاب وثواب کا عقیدہ بھی اِسی میں داخل ہے۔

6۔ایمان بالقدر

یہ چار نکات کو متضمن ہے:

1۔اس بات پر ایمان لانا کہ اللہ تعالیٰ کو تمام چیزوں کا مکمل اور تفصیلی علم ہے۔

2۔یہ تسلیم کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ لوحِ محفوظ میں لکھ رکھا ہے۔

3۔اِس امر کا اعتقاد رکھنا کہ ہر شے خدا کی مشیت ہی سے وجود پذیر ہوتی ہے۔

4۔یہ ماننا کہ تمام موجودات اپنی ذات و صفات اور حرکات سمیت اللہ عزوجل ہی کی مخلوق ہیں۔

ارکانِ ایمان کی دلیل

1۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لَيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ﴾ (سورۃ البقرہ:177)

"نیکی یہ نہیں کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ پر، یوم آخرت پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور نبیوں پر صدقِ دل سے ایمان لائے۔"

2۔نیز فرمایا:

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ﴾ (سورۃ القمر:49)

"ہم نے ہر چیز کو ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کیا۔"

3۔سنت سے ان ارکان کی دلیل، حدیث جبریل علیہ السلام میں ہے۔ جب سیدنا جبریل علیہ السلام نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ

أَخْبِرْنِي عَنِ الإِيمَانِ

یعنی مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ»

"(ایمان یہ ہے کہ) تو اللہ کو مانے؛ اُس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں کو مانے؛ اس کے رسولوں اور یومِ آخرت کو تسلیم کرے اور تقدیر کی اچھائی اور برائی کو مانے۔"

احسان

احسان کی تعریف:

لغت کی رُو سے لفظِ احسان 'الإِسَاءَة' یعنی غلط کاری اور بد سلوکی کی ضد ہے۔

شرعی طور پر اس کے معنی ہیں: خلوت و جلوت میں خوفِ خدا کو ملحوظ رکھنا۔

ارکانِ احسان

اس کا صرف ایک ہی رکن ہے، اور وہ ہے:

«أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ، فَإِنَّهُ يَرَاكَ.» (صحیح مسلم)

"تو اللہ عزوجل کی عبادت یوں کرے کہ گویا اُسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو (یہ احساس دل میں جاگزیں ہو کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔"

احسان کے اقسام

اس کی دو قسمیں ہیں:

1۔احسان إلى الخلق

یعنی مخلوق خدا سے احسان کا معاملہ کرنا؛ اور یہ چار معاملات میں ہوتا ہے:

1۔مال 2۔عزت 3۔علم 4۔بدن

2۔احسان فی عبادۃ الخالق

یعنی عبادتِ الٰہی میں احسان کا رویہ اپنایا جائے۔

اس کے دو مراتب ہیں:

1۔ مرتبۂ اطلاع و مراقبہ

اس کا مفہوم ہے:

فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ

یعنی: اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو (یہ احساس دل میں جا گزیں ہو کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔۔

دلیل احسان

1۔قرآن شریف میں ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ (سورۃ النحل: 128)

"بے شبہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہیں، جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں اور احسان پر عمل کرتے ہیں۔"

2۔احسان کے بارے میں سیدنا جبریل علیہ السلام کے سوال کا جواب دیتے ہوئے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا:

«أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ، فَإِنَّهُ يَرَاكَ»

"تو خدا کی عبادت میں یوں مگن ہو کہ گویا اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ کیفیت نہ ہو تو پھر یہ احساس پیدا کر کہ خدا تجھے دیکھ رہا ہے۔"

اسلام، ایمان اور احسان میں باہمی تعلق

اربابِ علم و نظر نے اس امر پر بھی بحث کی ہے کہ اسلام، ایمان اور احسان میں باہمی تعلق کی نوعیت کیا ہے؟ اس کا خلاصہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

1۔جب یہ تینوں امور اکٹھے بیان ہوں گے تو ان میں سے ہر ایک کا اپنا خاص مفہوم مراد ہو گا، چنانچہ:

ا۔ایمان سے امورِ غیبیہ مراد ہوں گے۔

ب ۔ احسان سے دین کے اعلیٰ درجات و مراتب مقصود ہوں گے۔

2۔ جب ان امور کا الگ الگ تذکرہ ہو گا تو اس صورت میں ان کا صرف خصوصی مفہوم ہی نہیں لیا جائے گا بلکہ

ا۔جب اکیلے اسلام کا ذکر ہو گا تو اس میں ایمان بھی داخل ہو گا۔

ب۔جب صرف ایمان کا تذکرہ ہو گا تو اس میں اسلام بھی شامل ہو گا۔

ج۔اگر محض احسان کا ذکر کیا جائے تو اسلام اور ایمان بھی اسی میں شامل ہوں گے۔

زندگی کو پُرسکون بنانے کے لیے روح اور جسم دونوں کا سکون ہونا ضروری ہے۔ سب سے پہلے اسوہ حسنہ کی پیروی کرتے ہوئے ہمیں فطرت کے مطابق سادہ زندگی گزارنی چاہیے، جو تکلفات سے پاک ہو۔ تن آسانی والی زندگی سے مسائل پیدا ہوتے ہیں، رسول اکرم ﷺ اپنا کام خود کرنا پسند کرتے اور کام میں اپنے گھر والوں کا ہاتھ بھی بٹاتے تھے۔

حدیث میں ہے کہ نماز آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، تلاوت قرآن اور اذکار نافعہ سے دل کو اطمینان نصیب ہوتا ہے، نیک اعمال سے انسان کی روح کو سکون ملتا ہے۔ جب کہ جسم کے سکون کے لیے طب نبوی کی صورت میں رہنمائی ہے، مثلاً

ہر معاملہ میں اعتدال سے کام لیا جائے، کھانے میں بسیار خوری سے بچا جائے، بھوک رکھ کر کھایا جائے، سونے کے آداب اور مسنون طریقے کو اختیار کیا جائے، جیسے بائیں پہلو پر سونے سے جسمانی صحت کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے، سانس لینے میں دشواری، دلی امراض اور معدے کی خراب لازم آتی ہے۔

بلاشبہ اسلام انسانی زندگی کے ہر معاملہ اور ہر مسئلہ کے متعلق رہنمائی مہیا کرتا ہے، جان کی حفاظت اور صحت مند زندگی کی رہنمائی شریعت اسلامیہ کے مقاصد میں سے ہے۔ موجودہ زمانے میں مصنوعی خوراک، فاسٹ فوڈ کا کثیر استعمال اور فطری زندگی سے دوری کے نتیجے میں جسمانی اور نفسیاتی بیماریوں کا اضافہ ہو گیا ہے۔ ایسے حالات میں لازم ہے کہ دین اسلام کی روشنی میں میڈیکل سائنس اور طب نبوی کا مطالعہ کیا جائے، تا کہ روح و جسم کو سکون میسر ہو سکے۔

روح کے سکون کی فکر کیجئے

روح بیمار ہو یا جسم، یا دونوں ہی، ہر ایک صورت میں انسان صحت کے ساتھ پر سکون زندگی نہیں گزار سکتا۔ بلکہ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ جسم تبھی بیمار ہوتا ہے جب روح بیمار پڑتی ہے، اگر روح تندرست ہو تو جسم بیمار نہیں ہو سکتا، جب روح گناہوں میں لت پت ہو تو جسم کیسے بیماریوں سے محفوظ رہ سکتا ہے، اس لیے کہ روح بھی تو اسی جسم کا حصہ ہوتی ہے۔ جب روح کی غذا نہیں ملتی تو وہ بیمار پڑ جاتی ہے، جس کے بعد جسم لاغر اور بیمار ہو جاتا ہے، ویسے بھی دیکھا جائے تو جسم کا علاج کرنے والے ڈاکٹر اور اسپیشلسٹ بہت زیادہ ہیں، مگر روح کے معالج بہت کم اور خال خال ہیں۔

1۔ زندگی کو پُر سکون بنانے کے اصول

زندگی کو صحت مند بنانے کے لیے خود کو خوشگوار رہنے کی عادت ڈالیں، خوشگوار رہنے کے لیے شکر گزار ہونا ضروری ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں پر شکر کرنے سے دل مطمئن اور پُر سکون ہوتا ہے۔ اسی طرح مثبت سوچ اور اچھے خیالات سے زندگی پُر سکون رہتی ہے، حسد اور منفی خیالات سے انسان دلی طور پر جلتا اور کڑتا رہتا ہے۔

زندگی کو پُر سکون بنانے کے لیے اچھے تعلقات، نیک دوست اور اہل علم کی مجلس اختیار کریں، جہاں سے نئے افکار و نظریات ملیں گے، جس سے نیت صاف، جذبات اور عمل میں تحریک پیدا ہوتی ہے۔ حدیث میں اچھے اور برے دوست کی مثال خوشبو بیچنے والے اور لوہار کے ساتھ دی گئی ہے۔

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إنما مَثَلُ الجَلِيسِ الصّالِحِ ، وجَلِيسِ السُّوءِ ، كَحامِلِ المِسْكِ ، ونافِخِ الكِيرِ ، فَحامِلُ المِسْكِ»

”نیک دوست اور برے دوست کی مثال کستوری والے اور لوہار کی بھٹی کی سی ہے۔“ (صحیح بخاری: 2101؛ صحیح مسلم:2628)

2۔ دلوں کا سکون ذکر الٰہی میں ہے

سکون حاصل کرنے کے لیے انسان ساری زندگی محنت و مشقت کرتا ہے، تاکہ اُس کی زندگی قائم ہو جائے، دنیوی ساز و سامان کو اکٹھا کرتا، روپے پیسہ جمع کرتا، گھر گاڑی اور ائیر کنڈیشن ماحول وغیرہ تمام چیزوں سے جسم کا سکون تو حاصل ہو جاتا ہے، مگر روح کا سکون اور اندر کا اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔ دلوں کا سکون عالی شان محلات اور دنیاوی آرائش سے نہیں بلکہ ذکر الٰہی میں ہے اور جب تک دل سکون میں نہیں، زندگی کبھی پر سکون نہیں ہو سکتی۔

جس کے بارے اللہ تعالیٰ نے واضح ارشاد فرمایا ہے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾

”وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے اطمینان پاتے ہیں۔ سن لو! اللہ کی یاد ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔“(سورۃ الرعد:28)

3۔ نماز، قرآن، اذکار نافعہ اور دعائیں، سب ذکر الٰہی ہیں:

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی

دلوں کا سکون یادِ الٰہی میں ہے، پروردگار عالم کے ذکر سے مضطرب دلوں کو قرار ملتا ہے اور زندگی کے اندھیروں کا خاتمہ ہوتا ہے۔ افسوس! ہم بیماریوں کا ذکر تو کرتے ہیں، مگر اس کے علاج کی فکر نہیں کرتے، یقیناً قرآن و حدیث کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے ہی روح کو سکون ملتا ہے۔ مثلا

نماز کے بارے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

« جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلوة.»

"نماز میں میری آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہے۔" (سنن نسائی: 3939)

جب نماز کا وقت ہو جاتا تو رسول اکرم ﷺ سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو کہتے تھے:

«يَابِلَالُ أَرِحْنَا بِالصَّلَاةِ»

"اے بلال! نماز کے ذریعے ہمیں سکون پہنچاؤ۔" (سنن ابوداؤد: 3985)

4۔ منفی خیالات اور بری عادات سے جان چھڑائیں

حسد، کینہ، بغض اور عداوت انسان کی روح اور جسم دونوں کو شدید متاثر کرتے ہیں، اس کے برعکس معاف کرنا، در گزر کر دینا، غیبت نہ کرنا اور کسی مسلمان بھائی کی ٹوہ میں نہ رہنے سے جسم وروح کو سکون نصیب ہوتا ہے۔

جسمانی اور نفسیاتی بیماریوں کے سلسلے میں قرآن مجید میں تقریباً نو مقامات پر حلال وطیب کھانے کا حکم دیا ہے۔ پاکیزہ کھانا، کھانے میں اعتدال اور میانہ روی سے کام لینا اور بھوک رکھ کر کھانا مسنون ہونے کے ساتھ زندگی کو پرسکون بھی بناتا ہے۔

5۔ ایمانی اور جسمانی طور پر قوی مومن

ایمان، نیک عمل اور جسمانی لحاظ سے مضبوط اور قوی مومن کمزور سے بہتر اور افضل ہے۔

دوسری احادیث میں سستی، کاہلی اور فضول کاموں میں مصروف رہنے سے اللہ تعالی کی پناہ مانگی گئی ہے، جو عادتیں انسان کو اطاعت سے غافل کریں وہ کسی طرح بھی قابل تعریف نہیں ہو سکتی ہیں۔ اس لیے ایمانی اور جسمانی طور پر مضبوط مومن کی تعریف کی گئی ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«المؤمن القوى خير وأحب إلى الله من المؤمن الضعيف وفي كل خير»

"طاقت ور مؤمن اللہ کے نزدیک کمزور مؤمن کی نسبت بہتر اور زیادہ محبوب ہے، جبکہ خیر دونوں میں (موجود) ہے۔" (صحیح مسلم: 2664)

6۔ موجودہ ابتری کا ایمان کے نور سے علاج

اس وقت جب کہ پورا ملک افراتفری اور نفسانفسی کا شکار ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ انفرادی و اجتماعی سطح پر توبہ کی جائے، ذکر الٰہی کو اپنا شیوہ بنایا جائے، مسنون دعاؤں اور اذکار نافعہ کا اہتمام کیا جائے، ان کے سیکھنے سکھانے کا بھرپور اہتمام کیا جائے، علماء کرام اور اہل اللہ کی مجالس کو اختیار کیا جائے، روحانیت و ایمان کی شمع فروزاں کی جائے۔ یقیناً اسی طریقے سے ایمان کی حلاوت نصیب ہوتی اور مایوسی کا سایہ چھٹتا ہے۔

کھاؤ، پیو اور اسراف نہ کرو، کا تفسیری مفہوم

کھانا پینا، دنیاوی نعمتوں کو استعمال کرنا اور زیب وزینت کرنا دینداری اور تقوی کے منافی نہیں، بلکہ جو چیز تقوی کے خلاف ہے وہ اسراف و تبذیر ہے، یعنی فضول خرچی اور بے جا خرچ کرنا۔ اس لیے اللہ کریم نے اعتدال کا حکم دیا ہے اور کھانے پینے میں بھی افراط و تفریط سے منع کیا ہے۔

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ (سورۃ الاعراف: 31)

"اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ گزرو، بے شک وہ حد سے گزرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔"

آیت کریمہ کا شان نزول

اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے میں بھی اعتدال کا حکم دیا ہے، جو تمام شریعت کے احکام کی روح ہے، اللہ تعالیٰ بھی اعتدال کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ خوبصورتی اور جمالیات کو اسلام پسند کرتا ہے مگر انسان اپنا سارا وقت بس کھانے پینے اور لباس میں صرف کر دے، یہ عادت اور طریقہ اللہ کے ہاں پسندیدہ نہیں ہے۔

بعض سلف کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نصف آیت میں علم طب کو جمع کر دیا ہے، یعنی تم کھاؤ، پیو اور اسراف نہ کرو۔ (تفسیر ابن کثیر: 406/3)

☆ تقویٰ، کھانے پینے کو ترک کرنے کا نام نہیں۔ زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ صرف اتنا کھاتے جس سے وہ زندہ رہ سکیں، اسی طرح حج کے دنوں میں چکناہٹ والی کوئی چیز نہیں کھاتے تھے، وہ ایسا حج کی عظمت کی وجہ سے کرتے تھے۔ اس صورت حال میں مسلمانوں نے بھی نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ ہم بھی ایسا ہی کریں تو اللہ تعالی نے آیت کریمہ نازل فرمادی:

﴿ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴾ (سورۃ الاعراف: 31)

"اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ گزرو، بے شک وہ حد سے گزرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔" (تفسیر ابن کثیر: 406/3)

اسلام نے جسمانی صحت کا بھی خیال رکھا ہے

دین اسلام تمام شعبہ ہائے زندگی کے عملی مسائل کا حل پیش کرتا ہے، مثلاً انسان کے ذاتی فائدے اور مصلحت کے لیے کھانے پینے کے آداب اور حلال و حرام تک کی تفصیل کتاب و سنت میں موجود ہے۔ قرآن مجید میں علم طب کے اصول اور طب نبوی میں اس کی جزئیات ذکر ہیں، تاکہ مؤمن بندہ جسمانی صحت کے ساتھ دین اور دنیا کے تمام کاموں کو بہتر طریقے سے سرانجام کر سکے۔

یہ بہت بڑی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنیادی عقیدہ، روح کا سکون، جسمانی صحت کے اصول اور دنیوی زندگی کے مسائل کو حل کرنے کے لیے مکمل رہنمائی کتاب وسنت کی صورت میں نازل فرمائی ہے:

﴿أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ (سورة لقمان:20)

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے تمہاری خاطر مسخر کر دیا۔"

قرآن مجید میں پاکیزہ کھانے کا حکم

اگر ہم قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو تقریباً 9 مقامات پر اللہ تعالیٰ نے حلال اور طیب کھانے کا حکم دیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ (سورة البقرة:168)

"اے لوگو! ان چیزوں میں سے جو زمین میں ہیں حلال، پاکیزہ کھاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

آیت کا تفسیری مفہوم

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ پاکیزہ اور حلال رزق کھاؤ۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم جو غذا کھا رہے ہیں کیا حلال اور پاکیزہ ہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ ہم جو کھا رہے ہیں کیا وہ ہمیں تقویت دے رہی ہے یا بیماری میں مبتلا کر رہی ہے؟

یہاں ایک بنیادی سوال یہ جنم لیتا ہے کہ غذا کیوں کھائی جائے؟ کھانے کے حوالے سے مسلمان کا اصول یہ ہونا چاہیے کہ وہ کھانا اس لیے کھائے کہ اس سے حاصل ہونے والی قوت اور توانائی سے اللہ کی عبادت اور دین و دنیا کے امور بہتر طریقے سے انجام دے سکے۔ اگر غذا کا مقصد محض لذت اور شکم سیری ہو تو یہ نفسانی خواہش کو جنم دیتا ہے۔

کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سے زیادہ مقامات پر اسراف اور تبذیر سے سخت منع کیا ہے، بلکہ فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ﴾

"بے شک بے جا خرچ کرنے والے ہمیشہ سے شیطانوں کے بھائی ہیں۔" (سورة الاسراء: 27)

پاکیزہ کھانے میں بھی اعتدال کا حکم ہے

غذا سے متعلق ایک اور اہم سوال یہ ہے کہ اسے کتنا کھایا جائے۔ اس حوالے سے بھی قرآن و حدیث ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي ۖ وَمَن يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَىٰ﴾ (سورة طہ: 81)

"ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور ان میں حد سے نہ بڑھو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہو گا اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ یقیناً تباہ ہو گیا۔"

☆ بسیار خوری کے نتیجے میں آنے والا موٹاپا اپنے ساتھ کئی مہلک بیماریاں لے کر آتا ہے، جن میں سے دل کے امراض، ذیابیطس، بلڈ پریشر اور ہڈیوں کے امراض شامل ہیں۔ عالمی ادارہ صحت کے مطابق 1975 سے 2016ء کے درمیان لوگوں میں موٹاپے کی شرح تین گنا بڑھ چکی ہے۔

اس ضمن میں ایک حدیث میں اس مرض (بسیار خوری) کے مہلک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

سیدنا مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنٍ ، حَسْبُ الْآدَمِيِّ، لُقَيْمَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ، فَإِنْ غَلَبَتِ الْآدَمِيَّ نَفْسُهُ ، فَثُلُثٌ لِلطَّعَامِ ، وَثُلُثٌ لِلشَّرَابِ، وَثُلُثٌ لِلنَّفَسِ »

"آدمی پیٹ سے برا کوئی برتن نہیں بھرتا۔ آدمی کو تو چند لقمے کافی ہیں جن سے اس کی کمر سیدھی رہے۔ اگر آدمی پر اس کا نفس غالب آجائے (اور وہ زیادہ کھانا چاہے) تو ایک تہائی کھانے کے، ایک تہائی پینے کے اور ایک تہائی سانس لینے کے لیے رکھ لے بس۔)"

(سنن ابن ماجہ:3349؛ جامع ترمذی: 2380)

رسول اکرم ﷺ کے کھانے کا معمول

صحت مند کے اصول، جسمانی اور روحانی سکون کے لیے سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنا وقت کی شدید ضرورت ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کھانے کے متعلق معمول ذکر کیا جاتا ہے۔

آل محمد ﷺ کا کھانے میں طرز عمل

اس حوالے سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ ﷺ مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِينَةَ مِنْ طَعَامِ الْبُرِّ ثَلَاثَ لَيَالٍ تِبَاعًا ، حَتَّى قُبِضَ

"محمد ﷺ کے گھر والوں کو مدینہ آنے کے بعد کبھی تین دن تک مسلسل گندم کی روٹی کھانے کے لیے نہیں ملی، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کی روح قبض ہوگئی۔" (صحیح بخاری: 6454)

پوری زندگی نبی کریم ﷺ کے کھانا کا معمول

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ ﷺ مِنْ طَعَامٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ حَتَّى قُبِضَ

"محمد ﷺ کے اہل وعیال نے تین دن مسلسل کبھی کھانا سیر ہو کر نہیں کھایا حتی کہ آپ کی روح قبض ہوگئی۔" (صحیح بخاری: 5374)

منبرِ رسول پر نبی کریم ﷺ کے کھانے کا تذکرہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھانے کے مسنون عمل اور طریقہ کو بھی اہمیت دیتے اور اسے اپنے خطبات میں بیان کرتے تھے، جیسے سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے خطبہ کے دوران تمام لوگوں کو رسول اکرم ﷺ کے کھانے کا معمول بتایا۔

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے کہا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کا ذکر کیا کہ لوگوں نے دنیا میں سے کیا کچھ حاصل کر لیا ہے۔ پھر فرمایا:

لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَظَلُّ الْيَوْمَ يَلْتَوِي ، مَا يَجِدُ دَقَلًا يَمْلَا بِهِ بَطْنَهُ

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا آپ پورا دن بھوک سے بل کھاتے تھے اور آپ کو سوکھی ہوئی اتنی سخت کھجور بھی میسر نہ ہوتی تھی جس سے اپنا پیٹ بھر لیتے۔" (صحیح مسلم:2978)

قرآن واحادیث میں بسیار خوری کی مذمت

عربی زبان کی ضرب المثل ہے: الْبِطْنَةُ، تُذهبُ الْفِطْنَة

پیٹ بھر کر کھانا فطانت اور ذہانت کو ختم کر دیتا ہے۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ زیادہ پیٹو بن کر کھانا اور ذہانت ایک جسم میں جمع نہیں ہو سکتی۔ ایسے ہی بے شمار احادیث میں کم کھانے کی ترغیب اور زیادہ کھانے کی مذمت ہے۔

قرآن وحدیث میں زیادہ کھانے کے نقصانات

میں کبھی سوچتا ہوں اور مجھے یہ احساس گھیر لیتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تلاش کرنے سے بھی مریض نہیں ملتا تھا، جب کہ آج تلاش کرنے سے بھی کوئی ایسا بندہ نہیں ملے گا جہاں ادویات کے ڈبے نہ ہوں، لہٰذا ضروری ہے کہ اس بنیادی نقطے اور فرق کو واضح کیا جائے کہ اسلام کے مطابق لوگوں کو صحت کے متعلق آگاہی دی جائے۔

صحت اصول جو قیامت تک قائم رہے گا اور یہ طب نبوی کی سب سے بڑی بنیاد ہے، اس کا نام اعتدال ہے، جاگنے سے لے کر سونے تک، عبادات سے لے کر معاملات تک اور زندگی کے ہر ہر مسئلے میں ایک اعتدال کو قائم رکھنا ہی حکم الٰہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کسی بھی کام سے حد سے تجاوز نہیں کیا، نہ کھانے میں، نہ سونے میں اور نہ ہی ازدواجی زندگی میں، اس سے ایک بات واضح ہوتی ہے کہ ہمیں بہت سی بیماریوں نے جو گھیر لیا ہے اس کی بنیادی وجہ ہر کام میں حد سے تجاوز ہے، خواہ وہ کھانا پینا ہو جو جسم کو بھی بیمار کرتا ہے یا پھر گناہوں کی لت ہو جو روح کو بھی مریض بناتی ہے۔

1۔ جانوروں کی طرح ہر وقت کھانا کفار کا طرز عمل ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ﴾ (سورۃ محمد:12)

"اور کافر دنیا کے فائدے اٹھاتے ہیں جانوروں کی طرح کھاپی رہے ہیں۔"

2۔ جتنا زیادہ کھاؤ گے، روز قیامت اتنے بھوکے رہو گے۔ اس سلسلے میں سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ان سے ایک کھانا کھانے پر اصرار کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: بس بس کافی ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ ارشاد مبارک سنا ہے:

«إِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ شِبَعًا فِي الدُّنْيَا ، أَطْوَلُهُمْ جُوعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (سنن ابن ماجہ:3351)

"دنیا میں زیادہ سیر ہونے والے لوگ قیامت کے دن زیادہ طویل عرصے تک بھوکے رہیں گے۔"

میڈیکل سائنس کی تصدیق اور کم کھانے میں عافیت

آج کی میڈیکل سائنس بھی اس بات کی تصدیق کر رہی ہے کہ کم کھانے میں صحت ہے، بسیار خوری سے موٹاپا اور بدن کی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں، جس سے جسم سست اور کاہل ہوتا ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معروف قول ہے:

"أيها الناس، إياكم والبطنة، فأنها مكسلة عن ا الصلاة، مفسدة للجسد، مورثة للسقم"

"اے لوگو! زیادہ کھانے سے بچو، یقیناً یہ نماز سے ست کرتا، جسم کو خراب کرتا اور بیماریوں کو لانے کا سبب بنتا ہے۔"

سیدنا عمرو بن شعیب کے پردادا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُوا ، وَتَصَدَّقُوا ، وَالْبَسُوا فِي غَيْرِ إِسْرَافٍ، وَلَا مَخِيلَةٍ»

"کھاؤ اور صدقہ کرو اور لباس پہنو مگر فضول خرچی اور تکبر نہ ہو۔" (سنن نسائی: 2559)

زیادہ کھانے پر ڈکار کو ناپسندیدہ سمجھا گیا ہے

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک شخص نے ڈکار لیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«كُفَّ عَنَّا جُشَاءَ كَ فَإِنَّ أَكْثَرَهُمْ شِبَعًا فِي الدُّنْيَا أَطْوَلُهُمْ جُوعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

"تم اپنی ڈکار ہم سے دور رکھو اس لیے کہ دنیا میں سب سے زیادہ پیٹ بھر کر کھانے والا قیامت کے دن سب سے زیادہ بھوکا رہے گا۔" (جامع ترمذی: 2478)

مومن ایک آنت سے کھاتا اور کافر سات آنتوں سے کھاتا ہے:

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اکیلے کھانا نہیں کھاتے تھے۔ کسی مسکین کو بلا کر اس کے ساتھ مل کر کھاتے تھے۔ امام نافع رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آدمی کو ان کے پاس کھانے کے لیے روانہ کیا، اُس آدمی نے بہت زیادہ

کھایا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کے سامنے کھانا رکھتے جاتے اور وہ کھاتا جاتا، یہ صورت حال دیکھ کر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نافع سے کہا (آئندہ) اسے میرے پاس مت بھیجنا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: «الكافِرُ يَأْكُلُ في سبعة أمعاء والمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مِعى واحِدٍ»

"مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے، اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔" (صحیح بخاری: 5393)

کھانے کے متعلق صحابہ و تابعین کا معمول

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک دفعہ ایک آدمی نے کہا:

کیا آپ کو جوارش نہ پیش کروں؟ انہوں نے پوچھا: جوارش کیا ہوتی ہے؟ اس نے کہا: کھانا ہضم کرنے کی دوا ہے۔ اس پر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے چار ماہ سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، اس لیے نہیں کہ میرے پاس وسائل نہیں بلکہ اس لیے کہ میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہوا ہے جو پیٹ بھرنے کی بجائے زیادہ تر بھوک میں رہتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء للذہبی: 222/3؛ حلیۃ الأولیاء لابی نعیم الاصفہانی: 300/1)

وقت کے ولی امام عباد بن عباد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

"شکم سیری (پیٹ بھر کر کھانے) میں تمہاری موت ہے، بھوک میں تمہاری خوش نصیبی ہے، جب بھی پیٹ بھر کر کھاؤ گے، بوجھل ہو جاؤ گے، سوتے رہ جاؤ گے۔ دشمن کے قابو میں آجاؤ گے، دشمن گھٹنے ٹیک کر تمہارے اوپر بیٹھ جائے گا اور اگر تم بھوکے رہو گے تو تم دشمن کا شکار کرو گے۔" (کتاب الجوع از ابن ابی دنیا: ص:149)

زیادہ کھانا ضائع کرنے کے مترادف ہے

جب بھی انسان اپنی ضرورت سے زیادہ کھانا کھائے گا تو وہ ضائع جائے گا کیونکہ انسانی جسم کو ایک حد تک ضرورت ہوتی ہے اس سے زائد فضلہ کی شکل میں باہر نکل جاتا ہے جو کسی کام نہیں آیا ہوتا اس لیے اتنا کھائیں جتنا آپ کے جسم کے کام آئے۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں ان کے کسی ساتھی کو کھانے کی دعوت دی گئی۔ تو اس نے کہا: میں اتنا کھا چکا ہوں کہ مزید گنجائش نہیں یہ بات سن کر امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"سبحان الله ويأكل المسلم حتى لا يستطيع أن يأكل."

"سبحان اللہ! کیا کوئی مسلمان اتنا بھی کھا لیتا ہے کہ مزید گنجائش ہی نہ بچے۔"

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت:

کبار ائمہ دین اپنے شاگردوں کو کم کھانے کی تاکید کرتے تھے۔ معروف محدث امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے باقاعدہ لکھ کر اپنے شاگرد عثمان بن زائدہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ نصیحت ارسال کی:

إنْ أَردتَ أَنْ يُصِحَ جِسْمُكَ، ويَقِلّ نومك، فأقل من الأكل

"اگر تندرستی اور نیند میں بہتری چاہتے ہو تو کھانا کم کرو۔" (کتاب الجوع از ابن ابی دنیا، ص:150)

صحت مند بننے کے لیے 10 اصول

1۔ کھانا صرف دو وقت کھائیں

دنیا میں لوگ بھوک سے نہیں زیادہ کھانا سے مرتے ہیں۔ اس عادت کی بدولت آپ صحت مند رہیں گے اور موٹاپے کا شکار نہیں ہوں گے، نیز آپ مختلف موذی امراض (شوگر، بلڈ پریشر) سے بھی بچ سکیں گے۔

2۔ قیلولہ کریں

دوپہر کو قیلولہ کریں۔ یہ مسنون بھی ہے اور جسمانی صحت کے لیے ضروری بھی۔ جدید تحقیق بتاتی ہے کہ قیلولہ ذہنی تناؤ کو ختم کرتا ہے، اس سے ہارٹ اٹیک کا چانس کم ہوتا ہے اور عمر طویل ہوتی ہے۔

قیلولہ کے متعلق سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم رضی اللہ عنہم عالم کا ارشاد مبارک ہے:

«قِيْلُوا فَإِنّ الشَّيْطَانَ لَا يَقِيلُ»

"تم قیلولہ کیا کرو، بے شک شیطان قیلولہ نہیں کرتا ہے۔" (صحیح الجامع: 4431؛ سلسلہ صحیحہ: 1647)

3۔ چینی کا استعمال ترک کر دیں

روزمرہ زندگی سے چینی نکال دیں۔ اس کے بجائے قدرتی میٹھا جیسے گڑ، شکر اور پھل زیادہ استعمال کریں۔ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ چینی زہر قاتل ہے۔

4۔ چہل قدمی کریں

خود کو حرکت میں رکھیں۔ چہل قدمی کرنا مسنون ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کیا، ایک مرتبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جیت گئی اور دوسری بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیت گئے۔ (سنن ابو داود: 2578)

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان گھڑ سواری، دوڑ اور دیگر مقابلہ ہوا کرتے تھے۔ جس کی تفصیل کو امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الفروسیۃ" میں ذکر کیا ہے۔

آج سائنس اس حقیقت کو ثابت کر چکی ہے کہ دنیا میں 100 سال سے زائد عمر پانے والے افراد میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ وہ حرکت میں رہتے ہیں۔

5۔ کم کھانا

ہمیشہ بھوک رکھ کر کھانا کھائیں۔ یہ سنت بھی ہے اور اس سے آپ کا نظام انہضام (Metabolism) بہتر رہتا ہے۔ طبی تحقیق کے مطابق اس سے معدے اور گلے کے مسائل ختم ہو جاتے ہیں۔

اس سے متعلقہ درج بالا احادیث گزر چکی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے ہمیشہ کم کھایا یا بھوک رکھ کر کھانا تناول فرمایا ہے۔

6۔ شوربے والا سالن

شوربے والا سالن جسم کو نمک اور پانی کی کمی سے بچاتا ہے، خاص طور پر گرم موسم میں یا بیماری کے دوران۔ اس میں شامل مائع کی وجہ سے یہ ہضم کے لیے مفید ہوتا ہے اور معدے کی تکلیف کو کم کرتا ہے۔

احادیث میں امہات المؤمنین کو خصوصی رسول اکرم ﷺ تاکید کرتے تھے کہ گوشت والے سالن میں شوربہ زیادہ کر لیا کرو، تاکہ کچھ اپنے ہمسایوں کے گھر بھی بھجوا دو۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی تھی:

«يا أبا ذَرّ إذا طَبَخْتَ مَرَقَةً ، فأكْثِر ماءَها ، وتَعَاهَدْ جيرانَكَ»(صحیح مسلم:2625)

"اے ابوذر! جب تم شوربا پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ رکھو اور اپنے پڑوسیوں کو یاد رکھو۔"

7۔ جلدی سونا

جلدی سونے سے نیند کا معیار بہتر ہوتا ہے، جس سے آپ گہری اور پر سکون نیند لے سکتے ہیں۔ یہ ذہنی امراض جیسے ڈیپریشن اور اینزائٹی کو کم کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ نیند کے دوران جلد کے خلیات کی مرمت اور دوبارہ بننے کا عمل تیز ہوتا ہے، جس سے جلد کی صحت بہتر ہوتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا معمول اور حکم تھا کہ مغرب کے بعد سونا اور عشاء کے بعد فضول باتیں کرنا منع اور سخت ناپسند تھا۔

سیدنا ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كانَ النَّبِيُّ ﷺ يكرَهُ النَّومَ قبلَ العِشاءِ، والحديث بعدها

"نبی کریم ﷺ عشاء سے پہلے سونے اور بعد میں باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔" (جامع ترمذی: 16)

8۔ زکوۃ اور صدقہ دیتے رہیں

زکوۃ، عشر، صدقہ اور خیرات ضرور دیں۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے رزق اور عمر میں اضافہ ہوتا اور برکت بھی ہوتی ہے۔ زکوۃ مال کا حق ہے، جو مستحقین کے درمیان تقسیم کرنے کا حکم ہے، اس سے خدمت خلق کر کے انسان ذہنی اور دلی سکون محسوس کرتا ہے۔

صلہ رحمی کرنے سے رزق میں اضافہ اور عمر میں برکت کی گارنٹی حدیث رسول میں موجود ہے۔ الفاظ یہ ہیں: «مَن أَحَبَّ أن يُبْسَط له في رزقه ، وأن يُنسأ له في أَثَرِهِ ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ»(صحیح بخاری: 2067)

"جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی اور عمر میں اضافہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔"

9۔ میانہ روی اختیار کریں

زندگی کے ہر شعبے میں اعتدال کا راستہ اپنائیں۔ اس محدود زندگی کو شان دار بنانے کے لیے وسائل کی نہیں بلکہ اطاعت، قبول کرنے اور میانہ روی اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

اعتدال کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب کو بھی دیا اور اہل ایمان کی صفات میں اس کو شمار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا﴾(سورۃ الفرقان:67)

"اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ خرچ میں تنگی کرتے ہیں اور (ان کا خرچ) اس کے درمیان معتدل ہوتا ہے۔"

10۔ سوشل میڈیا سے دوری

سوشل میڈیا کا استعمال مثبت اور انتہائی محتاط کیا جائے، نابالغ بچوں اور بچیوں کو تعلیم پر توجہ دینے میں والدین اپنا بھرپور کردار ادا کریں، بچوں کو سمارٹ فون، گیمز اور سوشل میڈیا کے کثیر استعمال سے منع کریں۔ والدین اور گھر کے بڑوں کو بھی چاہیے کہ اپنا وقت سوشل میڈیا اور سیاسی گفتگو میں ضائع کرنے کے بجائے اللہ کا ذکر میں مصروف کریں اور حتی الامکان فیملی کو وقت دیں۔ یقیناً گھر میں بیوی بچے ہمارے حسن سلوک کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خيرُكُم خَيْرُكُم لِأَهْلِهِ وأنا خيرُكُم لأهلي »

"تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہوں۔" (جامع ترمذی: 3895)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں انفرادی اور اجتماعی طور پر زندگی میں سکون عطا فرمائے، صحت و سلامتی اور عافیت کے ساتھ مال و جان، عزت و آبرو اور تمام معاملات کی اصلاح فرما دے، تاکہ ہم امت کی سطح موثر کردار ادا کر سکیں۔ آمین

☆☆☆

اپنی طرف توجہ دو

سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لا تحاسبوا الناس دون ربهم، ابن آدم عليك نفسك

"لوگوں کا محاسبہ نہ کرتے پھرو، یہ کام ان کے رب پر چھوڑ دو، تم بس اپنی طرف توجہ دو۔"

(حلیۃ الاولیاء: 1/212)

☆☆☆

پیش لفظ

تاریخ اہل حدیث کی جلد سوم کے آغاز میں یہ تعارفی سطور لکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بے پایاں احسانات کا کماحقہ شکریہ ادا کرنے سے قلم قاصر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے اس ناچیز اور علم و عمل سے تہی دست بندے سے جلد ہذا کی تکمیل کے ساتھ دو ہزار صفحات پر مشتمل علمی اور تحقیقی مواد مرتب کروا کے اس قرض کی ایک قسط ادا کروادی ہے جو برصغیر ہند کی جماعت اہل حدیث کے اصحاب علم وفضل پر ایک مدت سے واجب الادا چلا آ رہا ہے۔

ہماری یہ کتاب برصغیر میں اصحاب الحدیث اور عمل بالحدیث کی سرگزشت ہے۔ اور اس میں کتابیں بھی ہیں اور کتابوں والے بھی۔ اس میں تحریریں بولتی سنائی دیتی ہیں اور مردانِ کار مصروف عمل نظر آتے ہیں۔ گزشتہ جلدوں میں جناب ولایت علی صادق پوریؒ کی عمل بالحدیث، شاہ فاخر زائرؒ کا رسالہ نجاتیہ، شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی تنویر العینین اور تقویۃ الایمان، جناب ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ کا رسالہ اہل حدیث کا مذہب، حافظ عبد العزیز رحیم آبادیؒ کی ہدایۃ المعتدی وغیرہ کے علاوہ شاہ ولی اللہؒ کی حجۃ اللہ البالغہ، اور حافظ محمد حسین بٹالویؒ کے ماہنامہ اشاعۃ السنہ کے ضروری مباحث آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔

جلد ہذا کا آغاز شیخ محمد حیات سندھیؒ کی ایقاف علی سبب الاختلاف سے کیا گیا ہے، جو شاہ ولی اللہؒ کی تصانیف سے بھی مقدم ہے اور ایک سندھی عامل بالحدیث کا مدینہ سے بذریعہ محمد حسین بٹالویؒ ہندوستان پہنچنے والا فیض ہے۔ اس کے بعد کم و بیش اسی موضوع پر شاہ ولی اللہؒ کے حجۃ اللہ البالغہ سے چند ارشادات نقل کئے گئے ہیں اور ان کے تحفۃ الموحدین (فارسی مع اردو ترجمہ) سے کتاب کے صفحات کو منور کیا گیا ہے۔ پھر شاہ محمد اسماعیلؒ شہید کی ایضاح الحق الصریح نذر قارئین کی گئی ہے جو فارسی میں ہونے کے باعث عموماً نظروں سے اوجھل رہی ہے حالانکہ کہا جاتا ہے کہ حقیقت بدعت پر اس سے پہلے ایسی عمدہ کتاب نہیں لکھی گئی۔

در اصل جس دور میں یہ کتاب لکھی گئی، ہندی مسلمانوں کی علمی زبان فارسی تھی۔ لیکن جب انگریزوں کے عمل دخل کے ساتھ رفتہ رفتہ فارسی ہندوستانیوں کی زندگی سے نکل گئی تو فارسی لٹریچر عوام کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ بعض اہل ذوق نے اس کتاب کو اردو لباس میں منظر عام پر لانے کی اپنی سی کوشش کی لیکن (مترجمین کے کامل ادب واحترام کے باوجود) یہ کہنا درست نہیں ہے کہ وہ دونوں تراجم، جو ہمارے پاس موجود ہیں، تصنیف کی تفہیم کا حق ادا نہیں کرتے۔ اسلئے فارسی ایضاح کا کوئی باقاعدہ اردو ترجمہ شامل کتاب کرنے کی بجائے سید احمد خان دہلوی کی راہ سنت در رد بدعت کو شامل کر دیا گیا ہے کیونکہ سید احمد خان کا کہنا ہے کہ ان کی راہِ سنت در اصل ایضاح الحق ہی سے مستفاد ہے۔ یوں قارئین کو ایک ہی موضوع پر دو اہل حدیث علماء کی دو کتابیں پڑھنے کو مل جائیں گی۔ اور اہلحدیث کے قابل فخر سرمایہ میں سے دو کتابیں ہمارے اس سلسلہ تاریخ کا حصہ بن جائیں گی۔

کتاب ہذا کے پیش لفظ میں طبعی طور پر اگلا مرحلہ سید احمد خان کے بارے میں چند سطور کا تقاضا کرتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم نے سید احمد خان اور اس کی راہ سنت (اور کلمہ حق) کو تاریخ اہل حدیث میں کیوں شامل کیا ہے؟ بات یوں ہے کہ سر سید احمد خان کی علمی زندگی کے دو دور ہیں۔ پہلا دور ان کے عامل بالحدیث ہونے کا ہے اور دوسرا پیر نیچر ہونے کا۔ اور چونکہ پیر نیچر ہونے کا دور ان کی موت تک ممتد ہے اس لئے ان کی نیچریت کے بوجھ تلے وہ لٹریچر دب گیا جو ان کے دور اول سے تعلق رکھتا ہے۔ اور چونکہ نیچریت کے خلاف سب سے زیادہ عملی کام اہلحدیث ہی نے (محمد حسین بٹالویؒ کی سربراہی میں) کیا ہے اس لئے پیر نیچر سید احمد کے اس کام کو بھی اہل حدیث حضرات نے فراموش کر دیا ہے جو اہل حدیث سید احمد کا تھا۔

جس دور میں راہ سنت اور کلمۃ الحق 1849ء۔ 1850ء میں لکھی گئی تھیں۔ اس وقت ہندوستان کا مسلم معاشرہ خانقاہیت اور جامد تقلید کے پنجے میں جکڑا ہوا سسک رہا تھا۔ شاہ اسماعیل دہلوی اور ان کے ساتھی بالاکوٹ میں رتبہ شہادت پر فائز ہو چکے تھے۔ شاہ محمد اسحاق دہلویؒ حجاز تشریف لے جا چکے تھے۔ سید نذیر حسین محدثؒ اپنی علمی زندگی کے اوائل میں تھے اور شائد ابھی عملی طور عاملین بالحدیث کے زمرے میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ حافظ محمد لکھویؒ، اور جناب غلام رسول قلعویؒ ابھی دائرہ تقلید سے باہر نہیں آئے تھے، سید صدیق حسن قنوجیؒ تو ابھی ابتدائی کتب کے طالب علم تھے اور سید عبد اللہ غزنویؒ ابھی افغانستان میں تھے۔ جناب محی الدین عبد الرحمن لکھویؒ، حافظ محمد حسین بٹالویؒ، حافظ عبد اللہ غازی پوری، جناب سلامت اللہ جیراج پوریؒ، حافظ محمد ابراہیم آرویؒ، جناب محمد بشیر سہسوانیؒ، سید عبد الجبار غزنوی، سید امیر حسنؒ سہسوانی، سید امیر احمد سہسوانیؒ جناب محمد سعید بنارسی، جناب عبد العزیز رحیم آبادیؒ، سید عبد العزیز صمدنیؒ، جناب شمس الحق ڈیانویؒ، جناب فقیر اللہ مدراسیؒ، قاضی عبد الاحد خان پوریؒ، جناب عبد الجبار عمرپوریؒ، حافظ عبد

المنان وزیر آبادیؒ، جناب قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ، جناب عبد الوہاب صدریؒ، جناب ثناء اللہ امر تسریؒ، حافظ محمد ابراہیم میرؒ، حافظ عبد اللہ روپڑیؒ وغیر ہم میں سے بعض تو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے اور دوسروں نے ابھی پڑھنا بھی شروع نہیں کیا تھا۔

اس دور میں جب ہر سو گھمبیر سناٹا تھا، دور دور تک روشنی کی کرن نظر نہیں آتی تھی، کلمہ حق کہنے پر زبان کٹتی تھی۔ جس شخص نے سنت کی شمع جلائی، عمل بالحدیث کا آوازہ بلند کیا، خانقاہیت کے علی الرغم کلمہ حق بلند کیا، اس شخص کا حق ہے کہ (اس کے دور ثانی کی لغزشوں کو خدا کے سپرد کر کے) اسکے دور اول کے اچھے کاموں کی یاد تازہ کی جائے۔ میرے نزدیک راہ سنت اور کلمۃ الحق اہل حدیث کے قابل فخر اثاثے کا حصہ ہیں۔ یہ کتابیں ایک سر کی تصانیف نہیں ہیں بلکہ صرف سید احمد دہلوی کی ہیں جو خطابات سے پہلے ایک جرأت مند، حق گو، عامل بالحدیث تھا۔ اور بروایت جناب ابو یحی امام خان نوشہرویؒ جس نے آخر عمر میں اپنے غلط عقائد و نظریات سے رجوع بھی کر لیا تھا۔

سر سید احمد خان سے چلیں تو محسن الملک سید مہدی علی خان تک بات پہنچتی ہے۔ اور تعلیمی میدان میں قوم کی خدمات کے لحاظ سے ان کا پایہ سر سید احمد کے برابر نہیں تو زیادہ کم بھی نہیں ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سر سید احمد خان کے وقت مرگ علیگڈھ کا تعلیمی ادارہ بحرانی دور سے گزر رہا تھا۔ طلباء کی تعداد کم ہو رہی تھی اور ادارہ مقروض بھی تھا۔ سر سید احمد کی وفات کے بعد محسن الملک نے ادارے کا انتظام سنبھالا اور اپنی محنت، اخلاص، بے نفسی اور ہمت سے انحطاط کو ترقی میں بدل دیا اور اس کالج کے یونیورسٹی بننے کی راہ ہموار ہو گئی۔

محسن الملک شیعہ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اپنی تحقیق سے اہل سنت اور عامل بالحدیث ہوئے اور تا آدم آخر اس مسلک پر کاربند رہے۔ ان کی وفات پر جناب ثناء اللہ امر تسری نے انہیں اہل حدیث تسلیم کرتے ہوئے خواہش ظاہر کی کہ ان کا سوانحی شذرہ ہفت روزہ اہل حدیث امر تسر میں شائع کیا جائے جس پر اس دور کے ایک دوسرے بڑے اہلحدیث عالم جناب ابو القاسم سیف بنارسی نے ان کا سوانحی شذرہ مرتب کر کے ہفت روزہ اہل حدیث امر تسر میں چھپوایا۔

محسن الملک نے پیر نیچر سر سید احمد خان کا قریبی دوست ہونے کے باوجود سر سید کی نیچریت اور اس کے مخصوص تفسیری نظریات کی مخالفت کی۔ اور مخالفت درون خانہ اور نجی محفلوں تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ انہوں نے علی الاعلان، وعلی رؤس الاشہاد آوازہ حق بلند کیا۔ یوں ایک اہلحدیث عالم ہی نے ایک سابق اہلحدیث ثمّ پیر نیچر کے نظریات کا رد کیا۔ ہم نے اس جلد میں دونوں بزرگوں کی مراسلت نقل کی ہے جو کئی سال تک جاری رہی اور اس میں محسن الملک نے سر سید احمد کے تفسیری نظریات کا رد کیا ہے۔ (محسن الملک نے اجتہاد و تقلید کے موضوع پر بھی ایک کتاب لکھی ہے جسے کچھ عرصہ قبل جامعہ سلفیہ بنارس والوں نے بھی شائع کیا تھا۔ ممکن ہوا تو کسی مناسب مقام پر ہم بھی اس کی تلخیص نقل کریں گے۔ انشاء اللہ)

پھر ہم نے جناب خرم علی بلہوری کی نصیحۃ المسلمین کو ملخصًا نقل کیا ہے۔ یہ کتاب انیسویں صدی کے نصف اول کی معروف کتاب ہے اور خانقاہی نظام اور شرک وبدعت کی تردید میں اہم مقام رکھتی ہے۔

نیز ہم نے برصغیر کے بلاد و امصار میں عمل بالحدیث کی نشوونما کا ذکر کیا ہے۔ کارکنوں کی خدمات، ان کے مصائب و مشکلات، اور معاندین کے سلوک کا ذکر ہوا ہے اور چند عدالتی مقدمات کی کاروائی نقل ہوئی ہے جو در اصل اعلاء کلمۃ الحق کیلئے اہل حق کی صبر آزما جدو جہد کی داستان ہے۔

انیسویں صدی میں اصحاب الحدیث کے دوسرے مکاتب فکر سے چند مباحثات نقل کئے ہیں اور زیادہ تحریر یں جناب بٹالوی مرحوم کی ہیں۔ در اصل انیسویں صدی کے ہندوستان میں جناب بٹالوی ہی اہل حدیث کے بڑے اور مشہور مناظر تھے۔ ان کے مناظرانہ دور کا آغاز ۱۸۶۸ء میں ہوا جب احناف کی طرف سے مرزا غلام احمد قادیانی نے بٹالہ میں ان سے مناظرہ کر کے منہ کی کھائی۔ نیز انہوں نے ڈپٹی عبد اللہ آتھم عیسائی سے 1884ء کے گردو پیش مناظرہ کیا اور ڈاکٹر مارٹن کلارک سے 1894ء میں مباحثہ کے لئے خط و کتابت کی لیکن ڈاکٹر کلارک طرح دے گئے۔ (اس کا ذکر تحریک ختم نبوت کی جلد ہشتم ہوا ہے) نیز انہوں نے دیگر مکاتب فکر کے بڑوں سے بھی مناظرے کئے ہیں۔ جناب محمد قاسم نانوتویؒ سے ان کا ایک مناظرہ ہوا (جسکا ذکر ہم جلد دوم میں کر چکے ہیں)، منکرین حدیث کے شیخ الشیوخ چکڑالوی سے ان کا مناظرہ مشہور ہے، پیر نیچر سر احمد خان نے ان کے تحریری مباحثے اخباری صفحات پر مدتوں چلتے رہے۔ لدھیانہ کے حنفی علماء سے ان کا ایک تحریری مباحثہ ہوا جس کے جج اس دور کے رئیس الاحناف جناب عبد الحی لکھنوی قرار پائے۔ لکھنوی مرحوم کے فتاوی میں اس مباحثے کے فریقین کے پرچے اور جج کا فیصلہ درج ہے جسے ہم نے جلد ہٰذا میں نقل کیا ہے۔

اسی طرح بمبئی کے حنفی علماء کی میاں نذیر حسین محدثؒ سے چھیڑ چھاڑ کے نتیجے میں اخبار مشیر قیصر لکھنؤ کے حنفی اڈیٹر سے اخباری صفحات پر بٹالوی مرحوم کا طویل مباحثہ ہوا جسے ہم نے ملخصًا جلد ہذا میں نقل کیا ہے۔ (اس کے علاوہ بٹالوی مرحوم نے بانی قادیانیت مرزا غلام احمد سے ۱۸۹۱ء میں لدھیانہ میں مباحثہ کیا جس کی روداد ہم تحریک ختم نبوت جلد چہارم میں بیان کر چکے ہیں) نیز انہوں نے مرزا غلام احمد کے حواریاں یمین و یسار حکیم نور الدین بھیروی اور محمد احسن امروہی سے بھی مباحثے کئے۔ لاہور میں احناف کی انجمن نعمانیہ سے تحریری مباحثہ کیا جس کی روداد ہم جلد دوم میں نقل کر چکے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ اس دور کی باتیں ہیں جب کہ بیسویں صدی کے آغاز میں شہرت پانے والے اہل حدیث کے نامور مناظرین، مثل جناب ثناء اللہ امر تسریؒ اور جناب حافظ محمد ابراہیمؒ میر سیالکوٹی، وغیر ھم ابھی تعلیمی مراحل طے کر رہے تھے۔

در اصل عمل بالحدیث کی ترویج و اشاعت کے لئے جناب بٹالوی کی خدمات ہمہ پہلو ہیں۔ انہوں نے اہل

حدیث کا پہلا علمی و تحقیقی رسالہ، اشاعۃ السنۃ النبویہ جاری کر کے مسلک کی خدمت کی۔ یہ رسالہ پورے ہندوستان میں پڑھا جاتا تھا اور غیر مستطیع اہل ذوق و تحقیق کی خدمت میں دعائے خیر کے عوض پیش کر دیا جاتا تھا۔ انہوں نے لاہور کی چینیاں والی مسجد کو اہل حدیث کی مسجد کی شکل دے کر آج کے پاکستانی پنجاب میں اہل حدیث کا پہلا مرکز قائم کیا۔ یہ 1865ء کی بات ہے جب انہوں نے یہاں درس قر آن و حدیث شروع کر کے عمل بالحدیث کا بیج بویا۔ اور پھر انہی کی زندگی میں اور ان کی آبیاری سے یہ بیج ایک بارآور درخت بنا۔

چینیانوالی ہی وہ مسجد ہے جس میں بعد ازاں جناب رحیم بخشؒ نے سلسلہ اسلام کی درجن بھر کتابیں تصنیف کر کے توحید وسنت کا پیغام عام کیا۔ اور یہی وہ مسجد ہے جس میں بیٹھ کر 1910ء کے بعد غزنوی علماء نے توحید و سنت کی اشاعت کے عظیم کام میں حصہ لیا۔

اس مرکز کے بانی جناب بٹالویؒ ہیں اور یہ اس دور کی باتیں ہیں جب کسی عامل بالحدیث کے کسی مسجد میں چلے جانے پر وہ مسجد دھوئی جاتی تھی اور جانے والے کی تواضع مار پیٹ سے ہوتی تھی۔ اتنی ہمہ گیر خدمات انجام دینے والے رجل عظیم کو ہماری تاریخ سے کماحقہ آشنائی نہ رکھنے والے احباب دیگر اکابر کے ذکر جمیل کے ذیل و حواشی میں کر دینے پر اکتفا کر جا تے ہیں۔ کوئی مہربانی کرنا چاہے تو انہیں مدرسہ غزنویہ امر تسر کے مدرسین میں شمار کر دیتے ہیں۔ مدرسہ غزنویہ کے مدرسین میں شمار ہونا بھی بہت بڑے اعزاز کی بات ہے لیکن جناب بٹالویؒ مدرسہ غزنویہ کے مدرسین میں شامل نہیں تھے۔ وہ سید عبد اللہ غزنویؒ کے مرید اور ان سے فیض یافتہ تھے اور ان سے ملنے امر تسر جایا کرتے تھے۔ تاہم سید عبد اللہ غزنویؒ بنیادی طور پر ذکر و فکر اور تصوف و سلوک کے آدمی تھے۔ معروف معنوں میں ان کا کوئی مدرسہ نہیں تھا جہاں درس و تدریس کیلئے جناب بٹالویؒ کو تعینات کیا گیا ہو۔ سید عبد اللہ غزنویؒ کے بعد ان کے صاحبزادوں نے امر تسر میں مدرسہ بنایا جس میں بٹالوی مرحوم نے کبھی تدریس نہیں کی۔

بر صغیر ہند کی عمل بالحدیث کی تحریک میں جناب محمد حسین بٹالوی مرحوم کی خدمات کے پیش نظر جناب ثناء اللہ امر تسری، اپنے اخبار اہل حدیث میں عوام کو آپ کے سوانح کی ترتیب کی ترغیب دلاتے ہوئے لکھتے ہیں :

مولانا محمد حسین بٹالوی پنجاب کے علماء میں سے بڑے ممتاز عالم تھے۔ آپ کے ترجمہ (حالات) کی بہت ضرورت ہے۔ خاکسار اڈیٹر (ثناء اللہ) سے بڑی عمر والوں کو زیادہ معلوم ہوں گے۔ کوئی صاحب ان کے قریبیوں میں سے یا صحبت یافتوں میں سے صحیح حالات مسلسل لکھیں۔ مسلسل نہ لکھ سکیں تو واقعات ہی بتا دیں تاکہ ایسے بزرگ کے حالات جمع ہو جائیں۔
(ہفت روزہ اہل حدیث امر تسر 24 ستمبر 1920ء ص9)

اس تحریر کے چند عشروں بعد ایک، واقف حال، جناب محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے الایقاف علی سبب الاختلاف کی تقریب طباعت پر لکھا کہ

اللہ تعالیٰ کسی صاحب علم و ہمت کو توفیق دے تو مولانا بٹالوی کے سوانح حیات ایک مستقل تصنیف کے متقاضی ہیں۔

جناب بھوجیانی مرحوم کی اس خواہش کی تکمیل تو اس عاجز مؤلف سے ممکن نظر نہیں آتی لیکن اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی تو ارادہ ہے کہ کتاب ہذا کی پانچویں جلد میں اس موضوع پر بقدر استطاعت کچھ گذارشات کی جائیں۔

جلد ہذا کا آخری حصہ حواشی پر مشتمل ہے جس میں سر سید احمد خان کی کلمۃ الحق نقل کی گئی ہے۔ اخراج الو ہابین عن المساجد کی تحریک کے دنوں میں جب عدالتوں میں مقدمات چل رہے تھے تو حافظ عبد اللہ مرحوم نے قانون المساجد کے عنوان سے ایک دستاویز مرتب فرمائی تھی جسے متعلقہ حلقوں کی رہنمائی کے لئے انگریزی میں بھی ترجمہ کیا گیا تھا۔ حواشی میں اس دستاویز کو بھی نقل کر دیا گیا ہے۔ نیز شاہ اسماعیل شہید کی تقویۃ الایمان پر اعتراضات کے جوابات سید اقتدار احمد سہسوانی کی آیات القرآن فی بعض مسائل تقویۃ الایمان اور حکیم محمد حسین قریشی ایمن آبادی کی اثبات التوحید سے حواشی میں نقل کئے گئے ہیں اور متن میں جلی ہندسوں میں حواشی کے نمبر لکھ دیئے گئے ہیں۔

جلد سوم کی ترتیب و تسوید میں جن بزرگوں اور دوستوں کا تعاون شامل حال رہا ہے ان میں ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری بنارس، جناب اصغر علی امام مہدی سلفی دہلی، جناب محمد ابراہیم خلیل حجرہ شاہ مقیم، جناب محفوظ الرحمن مدرسہ فیض عام مئوناتھ بھنجن، جناب محفوظ الرحمن جامعہ سلفیہ بنارس جناب عبد الہادی عمری برمنگھم، جناب محمد اشرف جاوید فیصل آباد، ڈاکٹر عبد الوہاب انصاری کا سنگنج، ڈاکٹر لائق علی خان کا سنگنج، جناب عبد الرحیم روزی غواڑی بلتستان، جناب محمد رمضان یوسف سلفی فیصل آباد، جناب عبد الوہاب جامعی (کرناٹک) اور عزیزم محمد سہیل بوریوالا، شامل ہیں۔ جزاھم اللہ عنّی و عن جمیع المسلمین احسن الجزاء

اس پروجیکٹ کے لئے برادر عزیز، جناب شیر خان جمیل احمد عمری حفظہ اللہ کے مخلصانہ تعاون کا شکریہ ادا کئے بغیر تعارفی گذارشات کو ختم کر دینا میرے لئے ممکن نہیں۔ آپ ضروری مواد کی تلاش میں دامے درمے سخنے مدد کیلئے ہر وقت کمربستہ رہتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ انڈیا سے کتب و رسائل اور ضروری دستاویزات کا حصول ان کی ذاتی دلچسپی کے بغیر میرے لئے ممکن نہ تھا۔ نیز مواد کی تنقیح و ترتیب، احادیث کی تخریج، اور پروف ریڈنگ میں بھی اس بندہ عاجز سے ان کا بے لوث تعاون، بے مثال ہے۔ یہ فقیر ان کا احسان مند ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا دامن دین و دنیا کی سعادتوں سے بھر دے۔ آمین

دعائے خیر کا طالب: محمد بہاء الدین
11 جنوری 2009ء

☆☆☆☆

حافظ محمد یعقوب کی وفات

شیر خان جمیل احمد عمری

مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کے بانی رکن اور پہلے ناظم اعلیٰ حافظ محمد یعقوب صاحب 17 اگست 2024 کو 91 سال عمر پاکر بقضائے الٰہی انتقال کر گئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون، اَللّٰهُمَّ اغفر له وارحمه وادخله الجنة الفردوس الأعلى آمين

حافظ یعقوب صاحب 17 دسمبر 1933 کو جالندھر پنجاب انڈیا میں پیدا ہوئے۔ ملک کی تقسیم کے بعد آپ کا خاندان فیصل آباد پاکستان منتقل ہوگیا۔ حافظ صاحب حصول تعلیم کی غرض سے لاہور منتقل ہوگئے۔ پھر اعلی تعلیم کے لئے برطانیہ کا رخ کیا۔ حافظ صاحب طب کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے برطانیہ تشریف لائے تھے لیکن حلال گوشت کی عدم دستیابی نے آپ کو حلال گوشت متعارف کرانے کی طرف مائل کردیا۔

چنانچہ 1954 میں آپ نے حلال گوشت کے کاروبار کی شروعات کی۔ برطانیہ میں حلال گوشت متعارف کرانے والے آپ پہلے شخص بن گئے۔ اس تجارت میں اتنے آگے بڑھے کہ برطانیہ میں آپ کو Father of Halal Meat کالقب دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے کاروبار میں اتنی برکت دی کہ آپ نہ صرف برطانیہ بلکہ یورپ میں بھی حلال گوشت Export کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیکڑوں لوگوں کو روزگار فراہم کرنے کا ذریعہ بنایا۔ آپ کا اپنا ذبیحہ خانہ Slaughter House تھا، جہاں روزانہ ہزاروں جانور ذبح ہوتے تھے۔ کاروبار کی وسعت، صفائی، ستھرائی اور اعلی معیار اور دیگر خوبیوں اور خصوصیات کی وجہ سے آپ کو اور آپ کی فرم کو کئی نیشنل اور انٹرنیشنل ایوارڈز سے نوازا گیا۔ آپ نے کاروبار کے ساتھ ساتھ مسلم کمیونٹی کے مذہبی، فلاحی اور رفاہی امور پر بھی توجہ دی۔

1975 میں جن چند شخصیات نے مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کی بنیاد رکھی تھی ان میں سے حافظ صاحب کا نام گرامی بھی شامل ہے۔ بانی جمعیت حضرت مولانا فضل کریم عاصم رحمۃ اللہ علیہ مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کے جہاں پہلے امیر بنے تو وہیں حافظ محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ جمعیت کے پہلے جنرل سکریٹری بنائے گئے۔ جب مولانا محمود احمد میرپوری رحمۃ اللہ علیہ برطانیہ تشریف لائے تو حافظ یعقوب صاحب نے اپنا عہدہ مولانا محمود احمد میرپوری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہ کر سونپ دیا کہ آپ اس عہدہ کے زیادہ مستحق ہیں۔

برمنگھم کی مختلف مسالک کی مشترکہ مسجد 'سنٹرل ماسک' بلگریو روڈ کے آپ Founder Trustee تھے۔ آپ ہی نے آج سے تقریباً پچاس سال قبل برمنگھم کونسل سے مذاکرات کرکے سنٹرل ماسک کے لئے جگہ حاصل کی تھی۔

حافظ صاحب بڑے اصولی، نفاست پسند اور وقت کے پابند انسان تھے۔ آپ کے اندر نزاکت بھی تھی اور ظرافت بھی۔ آپ کا لباس و پوشاک بڑا یونیک ہوا کرتا تھا۔ کم گو تھے لیکن جب بھی گفتگو کرتے بڑی پختہ گفتگو فرماتے۔ لب ولہجہ بڑا شائستہ اور ظریفانہ ہوتا۔

شروع دنوں میں جمعیت کے معزز مہمانوں کے آپ ہی میزبان ہوا کرتے تھے۔ علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ، ائمہ حرمین اور دیگر علمائے کرام، مختلف ممالک کے سفراء اور معززین آپ کے مہمان بن کر خوش ہوتے تھے۔

حافظ صاحب اور ان کے گھرانے سے میرے بڑے دیرینہ اور گھریلو تعلقات تھے۔ آپ مجھے بڑا عزیز رکھتے تھے۔ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بزرگ ہونے کے باوجود مجھ سے مشورہ کرتے تھے۔

مجھے آپ کے کاروباری فرم National Halal Centre میں Religious Adviser کی حیثیت سے چند سال کام کرنے اور آپ کو قریب سے دیکھنے کا بھی موقع ملا۔ آپ کو مجھ پر بڑا اعتماد تھا۔ اپنے چھوٹے بیٹے شاہد یعقوب کی شادی پاکستان میں طے پائی تھی، ساری فیملی کو پاکستان جانا تھا اس وقت انہیں اپنے وسیع وعریض گھر کی حفاظت اور دیکھ ریکھ کا مسئلہ درپیش تھا۔ گھر اور اس کی چابیاں آخر کس کے سپرد کرکے جایا جائے، حافظ صاحب مرحوم اور ان کے صاحبزدگان کی نگاہیں اس حقیر پر آکر رک گئیں۔ ان سبھوں نے گھر کی چابیاں میرے حوالہ کرنے کا فیصلہ کیا اور گھر میرے حوالے کرکے ہفتہ دو ہفتہ کے لئے پاکستان چلے گئے۔

حافظ صاحب اور ان کے صاحبزدگان زاہد یعقوب اور شاہد یعقوب کے اس فیصلہ اور اعتماد پر میں حیران رہ گیا۔ حافظ صاحب مجھ سے ہمیشہ مسئلے مسائل پوچھتے تھے، پچھلے چند ماہ سے طبیعت ناساز رہنے کی وجہ سے ہر ماہ کا نماز ٹائم ٹیبل چارٹ واٹساپ کرنے کو کہتے، میں ہر ماہ آپ کو نماز کا ٹائم ٹیبل واٹساپ کرتا۔ بیماری،

بڑھاپا، کمزوری اور نقاہت میں عبادات کے احکام معلوم کرتے۔ بیماری میں جمع بین الصلوٰۃ کا مسئلہ پوچھتے۔ مسجد میں حاضر نہ ہونے کا افسوس ظاہر کرتے۔

پچھلے ماہ میں نے جب انہیں بتایا کہ

میری چھوٹی بیٹی لبنیٰ کی شادی مدینہ منورہ میں طے پائی ہے اور میں سفر پر جارہا ہوں تو بے حد خوش ہوئے، خوب دعائیں دیں اور ساتھ میں افسوس کا بھی اظہار کیا کہ میری صحت خراب ہے، میں کمزور ہوں اور اس قابل نہیں ہوں کہ سفر کرسکوں ورنہ میں ضرور شادی میں شریک ہوتا۔ آپ نے اپنے چھوٹے بیٹے شاہد یعقوب اور ان کی اہلیہ کو شادی میں شرکت کا حکم دیا لیکن ارادہ کے باوجود والدین کی عدم صحت کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔

پچھلے ہفتہ ہسپتال میں اپنے چھوٹے بیٹے شاہد یعقوب سے کہا کہ مجھے مولانا جمیل سے بات کرنی ہے فون میں نمبر نکال کر دو۔ شاہد بھائی نے فون ملا کر دیا لیکن افسوس مجھے اس کا علم نہ ہو سکا پھر میں نے واپس فون ملایا لیکن بات نہ ہو سکی جس کا مجھے افسوس ہے۔

حافظ صاحب عارضہ قلب میں مبتلا تھے، دل میں ایک سے زائد مرتبہ اسٹنٹ ڈالے گئے تھے۔ بڑھاپا طاری تھا لیکن ہوش وحواس بحال تھے آخری عمر میں بھی آپ کا حافظہ ٹھیک تھا۔

حافظ صاحب نے قرآن مجید سے اپنے تعلق کو آخری سانسوں تک جوڑے رکھا۔ دنیاوی مشغولیات پھر بڑھاپے کی وجہ سے انہیں قرآن مجید کے بھلا دئے جانے کا خوف دامن گیر رہتا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ آپ باضابطہ طور پر ایک استاد حافظ صاحب کی خدمات حاصل کر رکھی تھیں، انہیں اپنا قرآن سناتے اور خود استاد حافظ صاحب کا قرآن سنتے تھے۔

ہسپتال میں گذارے عمر عزیز کے آخری تین ہفتوں میں بھی قرآن پڑھتے رہنے کا مبارک سلسلہ جاری رکھا۔ وفات کے دن آپ بہت کمزور ہو گئے تھے، مشکل سے آنکھ کھول پا رہے تھے۔

وفات سے ڈیڑھ دو گھنٹہ قبل آپ کے استاد حافظ صاحب آپ کی عیادت کے لئے ہسپتال تشریف لائے، حافظ صاحب ان کو دیکھتے ہی ان سے پوچھتے ہیں کہ آج میں کونسی سورہ سناؤں؟ استاد حافظ صاحب نے جواب دیا کہ آج آپ کوئی بھی سورہ سنادیں، چنانچہ حافظ صاحب آہستہ آہستہ قرآن پڑھتے رہے۔

قدرت کے فیصلے دیکھئے؛ حافظ صاحب اپنی اہلیہ محترمہ کی صحت کو لے کر پریشان رہا کرتے تھے۔ آج سے تقریباً چار سال قبل COVID کی وجہ سے ڈاکٹروں نے انہیں مزید علاج کرنے سے معذرت کرلی تھی اور گھر لے جانے کے لئے کہدیا تھا۔

اہل خانہ نے بوجھل دل سے انہیں گھر لایا تھا، لیکن اللہ نے ان کے حق میں شفاء لکھی ہوئی تھی چنانچہ وہ شفایاب ہو گئیں۔ حافظ صاحب ان کے مقابلہ میں قدرے صحت مند تھے لیکن ان کا وقت مقررہ آچکا تھا اور وہ رخصت ہو گئے۔

حافظ صاحب کی اہلیہ محترمہ کا کہنا تھا کہ

میں نہیں سمجھتی تھی کہ حافظ صاحب مجھ سے پہلے چلے جائیں گے لیکن چلے گئے۔ میں نے کہا یہ اللہ کے فیصلے ہیں۔ ہر ایک کی موت اس کے مقررہ وقت پر ہی آتی ہے۔ حوصلہ رکھیں اور صبر کریں ان شاءاللہ پھر جنت میں سب اکٹھا ہوں گے۔

تین ہفتہ قبل پیر پھسل جانے کی وجہ سے حافظ صاحب گر گئے تھے، تشخیص کے لئے بچے ہسپتال لے گئے تو ڈاکٹروں نے آپ کو داخل ہسپتال کر لیا۔ پچھلے بدھ کو طبیعت بالکل بحال ہوگئی تھی، جمعرات کو آپ کو ڈسچارج کیا جانا تھا لیکن اچانک بدن میں انفکشن ہو گیا اور صحت تیزی سے گرتی چلی گئی۔ اسی انفکشن کی وجہ سے گردے، لنگز اور دیگر اعضاء بھی متاثر ہو گئے اور یہی انفکشن آپ کے لئے جان لیوا ثابت ہوا اور موت کے لئے بہانہ بن گیا۔

17 آگست 2024 ہفتہ کے روز دوپہر کے چار بجے QE ہسپتال برمنگھم میں آپ کے جملہ اہل خانہ کی موجودگی میں حافظ صاحب نے آخری سانس لی اور آخرت کی طرف روانہ ہوگئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون

پسمندگان میں اہلیہ، دو بیٹے زاہد یعقوب، شاہد یعقوب، دو بیٹیاں زاہدہ چوہدری، شاہدہ خان اور 13 پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ حافظ صاحب پر رحم فرمائے، ان کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کی حسنات کو قبول کرے، ان کا حساب وکتاب آسان فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں داخل فرمائے اور جملہ پسمندگان کو صبر جمیل عطا کرے آمین۔

حافظ یعقوب صاحب کی وصیت اور ان کے بڑے صاحبزادے معروف کاروباری شخصیت زاہد یعقوب صاحب کی خواہش پر شیخ محمد حفیظ اللہ خان المدنی حفظہ اللہ نے بروز منگل 20 اگست کو سنٹرل ماسک نماز جنازہ پڑھائی اور اسی دن گنگز ہیتھ برمنگھم قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

قبرستان میں موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے شیخ شعیب احمد میرپوری حفظہ اللہ امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ نے حافظ صاحب کے محاسن کا ذکر کرتے ہوئے ان کی ثابت قدمی اور مغفرت کے لئے کی دعائیں کی۔

☆☆☆☆